22

سہ ماہی
علمی وتحقیقی

نور معرفت

اداریہ
مطالعہ قرآن کے اساسی اصول (۱)
وحدۃ المسلمین اور اسلامی اخوت
عصر حاضر میں مطالعہ سیرت کی ضرورت

گفتنی ہا
کاروباری اخلاق (۲)
مسند امام زید کا تحقیقی جائزہ
اسلامی معاشرہ کے خدوخال

اسلامی تہذیب کی تشکیل میں شیعوں کا کردار

کلام الامام، امام الکلام

سنّت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کی ضرورت

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا :

وَاقتَدُوا بِهَدیِ نَبِیِّکُم فَاِنّه اَفضَلُ الهُدٰی وَ استَنُّوا بِسُنَّتِهٖ فَاِنَّهٗ اَهدَی السُّنَنِ

تم اپنے نبیؐ کی ہدایت کی پیروی کرو کیونکہ یہ افضل ترین ہدایت ہے اور آپ کی سنت پر عمل کرو کیونکہ یہ تمام سنتوں سے زیادہ ہدایت یافتہ سنت ہے۔

(نہج البلاغہ، خطبہ ۱۱۰)

أَمَّا وَصِیَّتِی، فَاللهَ لاَ تُشْرِکُوا بِهِ شَیْئاً، وَ مُحَمَّداً فَلاَ تُضَیِّعُوا سُنَّتَهُ، أَقِیمُوا هذَیْنِ الْعَمُودَیْنِ، وَ أَوْقِدُوا هذَیْنِ الْمِصْبَاحَیْنِ

میری وصیت یہ ہے کہ کسی کو اللہ کا شریک قرار نہ دینا اور (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی سنت کو ضائع نہ کرنا کہ یہی دونوں دین کے ستون ہیں؛ انہیں کو قائم کرو اور ان دونوں چراغوں کو روشن رکھو۔

(نہج البلاغہ، خطبہ ۱۴۹)

بسم الله الرحمن الرحيم

اہل قلم سے اپیل

سہ ماہی "نور معرفت" ایک علمی و تحقیقی جریدہ ہے۔ یہ جریدہ ملک کے اعلی تعلیم یافتہ طبقہ کی علمی پیاس بجھانے کے لیے شائع کیا جارہا ہے۔ یہ جریدہ یونیورسٹیوں اور دینی مدارس کے اساتذہ اور طلاب کا اپنا جریدہ ہے۔ جہاں اس جریدے کا ہدف عامتہ الناس کو علم کی ضیاء پاشیوں سے منّور کرنا ہے، وہاں اس کا ایک اہم ہدف، دینی مدارس اور یونیورسٹیوں کے اساتذہ اور طلاب کے درمیان علمی و تحقیقی شوق و جستجو پیدا کرنا اور ان کے زور قلم کو مزید نکھارنا بھی ہے۔ اس حوالے سے یہ جریدہ ہر دین دار عالم و دانشور کے علمی اور قلمی تعاون اور ان کے قیمتی مشوروں کا محتاج ہے۔ اس جریدے میں علوم قرآن و حدیث، فقہ و اصول فقہ، کلام و فلسفہ، اسلامی تاریخ، تقابل ادیان، تعلیم و تدریس، ادبیات، معاشیات، عمرانیات، سیاسیات، اقبالیات، ثقافت و تمدن، قانون و اصول قانون وغیرہ پر اسلامی نکتۂ نظر سے مقالات کے علاوہ علمی کتابوں پر تبصرے شائع کئے جاتے ہیں۔ لہٰذا ہماری اپیل ہے کہ اپنی گرانقدر علمی آراء، تحقیقات اور نگارشات اس جریدہ کو ارسال کریں۔

چند ضروری ہدایات

- مقالہ نگار حضرات سے درخواست ہے کہ اپنے تحقیقی مقالات مدیر نور معرفت کے نام ارسال کریں۔
- بہتر ہے کہ مضمون کمپوز شدہ ہوں اور ان کی ضخامت بیس/پچیس صفحات سے زائد نہ ہو۔ ممکن ہو تو مضمون کی سافٹ کاپی بھی ارسال کریں یا مدیر کے (Email) پر ارسال کی جائے۔
- ترجیحی بنیادوں پر ایسے موضوعات پر تحقیق کی جائے جو ادارہ دے۔
- حواشی اور حوالہ جات کے لیے اصلی مآخذ اختیار کریں اور مضمون کے آخر میں اس ترتیب سے لکھے جائیں:
- کتاب کا نام | مصنف کا نام | پبلشر کا نام | سن طباعت | جلد | صفحہ نمبر
- نور معرفت میں شائع شدہ مقالات کسی اور جگہ طبع کرانے کی صورت میں '' نور معرفت'' کا حوالہ دینا ضروری ہے۔
- ادارے کا مقالہ نگار کی تمام آراء سے متفق ہونا ضروری نہیں؛ لہٰذا مجلّہ ارسال شدہ مقالات کی علمی آرائش اور تہذیب کا حق بھی رکھتا ہے۔

جلد: ۴
ذوالحجہ تا صفر ۱۴۳۵ھ
بمطابق
اکتوبر تا دسمبر 2013
شمارہ: ۴

سہ ماہی

علمی و تحقیقی

نور معرفت

Declaration No: 7334

ISSN 2221-1659

مدیر اعلی
سید حسنین عباس گردیزی

مدیر
سید رمیز الحسن موسوی

مجلس ادارت

- ڈاکٹر شیخ محمد حسنین
- ڈاکٹر ساجد علی سجانی
- ڈاکٹر سید راشد عباس
- ڈاکٹر کرم حسین ودھو
- ڈاکٹر علی رضا طاہر
- ڈاکٹر سید ناصر زیدی
- سید ثمر علی نقوی
- سید علی مرتضی زیدی

کمپوزنگ: محمد حنیف ڈان
ڈیزائننگ: طاہر عباس
پرنٹر: پکٹوریل پریس، آبپارہ، اسلام آباد

قیمت فی شمارہ **130** روپے
زرِسالانہ **500** روپے
زرِسالانہ **150** ڈالر امریکہ، کینیڈا، یورپ
زرِسالانہ **070** ڈالر مڈل ایسٹ

"**نمت**" (نورالمدیٰ مرکز تحقیقات)
نورالہدیٰ ٹرسٹ (رجسٹرڈ) سادات کالونی بارہ کہو، اسلام آباد
051-2231937 www.nmt.org.pk
E-MAIL: NOOR.MARFAT@GMAIL.COM

نوٹ: ادارے کا مقالہ نگار کی تمام آراء سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

فہرست

نمبر شمار	موضوع	مؤلف	صفحہ
۱	اداریہ	مدیر	۷
۲	گفتنی ہا	مدیر	۹
۳	مطالعۂ قرآن کے اساسی اصول (۱)	ڈاکٹر شیخ محمد حسنین	۱۵
۴	عصرِ حاضر میں مطالعۂ سیرت کی ضرورت وافادیت	پروفیسر ڈاکٹر محمد طفیل	۳۱
۵	"وحدت المسلمین" اور "اسلامی اخوت"	محمد علی رمضانی	۳۹
۶	اسلامی تہذیب کی تشکیل میں شیعوں کا کردار	سید رمیز الحسن موسوی	۵۵
۷	اسلامی معاشرہ کے خدّوخال	روشن علی	۸۳
۸	کاروباری اخلاق (۲)	ڈاکٹر ید اللہ داد گر	۱۰۵
۹	مسند امام زید کا تحقیقی جائزہ	ڈاکٹر سید حیدر عباس واسطی	۱۲۱

نورالہدیٰ مرکز تحقیقات (نمت) ایک نظر میں

نورالہدیٰ مرکز تحقیقات (نمت)، نورالہدیٰ ٹرسٹ کا ایک ذیلی ادارہ ہے جو علماء اور دانشوروں کی ایک پانچ رکنی علمی کمیٹی کی نگرانی میں فعالیت کر رہا ہے۔ اس ادارے کا نصب العین اسلام کی حقیقی تعلیمات کی ترویج کے ذریعے پاکستانی قوم اور بالخصوص ملت تشیع کو فکری پسماندگی سے نجات دلا کر اسلامی تہذیب کی تشکیلِ نَو کی ٹھوس فکری بنیادیں فراہم کرنا ہے۔

پاکستان کی مظلوم اور ستم دیدہ ملت مسلمہ کی بنیادی مشکل دینی آگہی اور اجتماعی شعور کی کمی ہے۔ اس ملک کے ارباب اقتدار نے کبھی عوام کی اس مشکل کو دور کرنے کی سنجیدہ کوشش نہیں کی۔ نورالہدیٰ مرکز تحقیقات اپنی استطاعت کے مطابق پاکستانی عوام کی اس مشکل کو حل کرنے کی اپنے تئیں بھرپور کوشش کر رہا ہے۔

لہٰذا دینی بصیرت و آگہی کو فروغ دینے اور اجتماعی شعور بیدار کرنے والی کتب کی تألیف، ترجمہ اور اشاعت اور الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے اسلامی تعلیمات کی ترویج، نیز انہی اہداف کے حصول کیلئے ایک علمی و تحقیقی سہ ماہی مجلّہ "نور معرفت" کی اشاعت، "نَمت" کے عمدہ اہداف شمار ہوتے ہیں۔

یہ ادارہ اپنی فعالیت کے تقریبا پانچ سالوں میں قابل ذکر مطبوعات علمی حلقوں کی خدمت میں پیش کر چکا ہے۔ حیاتِ فاطمہ (سلام اللہ علیہا)، تعلیم الاحکام، امام خمینی کی ایک مغربی دانشور سے ملاقات، حضرت زینب، تاریخ کا ایک ناگزیر کردار، اسلامی پردہ، سول سوسائٹی، امام خمینی کا سیاسی نظریہ، قرآن اور نفسیاتی دباو؛ معجزہ کیا ہے جیسی کتابوں کی اشاعت اس ادارے کا نمایاں کارنامہ ہے۔ اس کے علاوہ "پیام قرآن" جیسی عظیم موضوعی تفسیر کی آخری تین جلدوں کا ترجمہ بھی اس ادارے کی علمی کاوشوں کا ایک اہم حصہ ہے۔ اس کے علاوہ سہ ماہی "نور معرفت" کی پانچ سال سے مسلسل اشاعت بھی "نمت" کا ایک عمدہ کارنامہ ہے۔ اب تک سینکڑوں موضوعات پر علمی تحقیقی مقالات اس مجلّہ کے اوراق کی زینت بن چکے ہیں۔

ان مساعی کے ساتھ ساتھ "نمت" قرآن و حدیث، فلسفہ و کلام، اخلاق و عرفان اور دیگر متنوع موضوعات پر مکتب اہل بیت اطہار علیہم السلام کی تعلیمات کی روشنی میں اردو زبان میں بہتر سے بہتر لٹریچر پیش کرنے کیلئے کوشاں ہے۔یقینا اس نیک کام میں ہمیں پاکستان کی مسلم امت کے عوام و خواص کے تعاون کی بھرپور ضرورت ہے۔ ہمیں توقع ہے کہ پاکستانی عوام اس تحقیقاتی مرکز کی طرف سے شائع کردہ علمی تحقیقی مطبوعات کا مطالعہ کریں گے اور اپنی قیمتی آراء، نگارشات اور معنوی و مادی تعاون کے ذریعے ہماری حوصلہ افزائی فرمائیں گے۔

ڈائریکٹر نور الہدی مرکز تحقیقات

ڈاکٹر شیخ محمد حسنین

اداریہ

الحمد للہ نور معرفت کا بائیسواں شمارہ قارئین کے ہاتھوں میں ہے۔ یقیناً آپ اس امر سے بخوبی واقف ہیں کہ جس معاشرے میں علمی تحقیقی تحریریں پڑھنے کا ذوق بہت کم ہو، اُس ماحول میں ایک تحقیقی مجلّہ بروقت نکالنا اتنا مشکل ہے جتنا بنجر زمین میں کسی پھل دار پودے کی آبیاری اور اسے پروان چڑھانا مشکل ہوتا ہے۔ پاکستانی معاشرہ دینی اور علمی حوالے سے جس تنزل کا شکار ہے اور اس معاشرے میں جس طرح آئے دن علمی قدریں زوال پذیر ہیں، اس میں کوئی علمی کام انجام دینا اور اُسے منظر عام پر لانا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ "نمت" بہت معمولی وسائل کے ساتھ نور معرفت جیسا علمی اور تحقیقی مجلّہ معیاری انداز میں باذوق قارئین تک پہنچانے کی سعی کر رہا ہے اور ہر صورت اس علمی چراغ کو روشن رکھنا چاہتا ہے۔ نور معرفت مکتب اہل بیتؑ کے علمی ترجمان کی حیثیت سے تبلیغی جذبے سے شائع کیا جارہا ہے اور ملک کے تمام علمی اداروں اور شخصیات کی خدمت میں بھیجا جاتا ہے۔ اسی طرح بہت سے عام قارئین کو بھی چند سال سے یہ شمارہ ارسال کیا جارہا ہے۔ لیکن یا ہم ابھی تک اس مجلّہ کو قابل ستائش نہیں بناسکے یا ہمارے قاری میں ابھی تک ایسی کاوش کی ستائش اور اظہار تشکر کا حوصلہ پیدا نہیں ہوا۔

بہر صورت ہماری ٹیم کے حوصلے بلند ہیں اور ہم اپنے قارئین سے بھی اُمید رکھتے ہیں کہ وہ کم از کم ایک "ای میل" یا "ایس ایم ایس" کے ذریعے ہمیں نور معرفت کی کارکردگی سے آگاہ کرتے رہیں اور جہاں ضروری ہو، ہماری رہنمائی کا فریضہ بھی انجام دیں۔ نیز قوم کے مخیّرین سے بھی اُمید ہے کہ وہ قرآن کریم اور اہل بیت اطہار علیہم السلام کے اس ترجمان جریدے کو زندہ رکھنے میں ہمارے ساتھ تعاون فرمائیں گے۔

یہ شمارہ ایسے حالات میں تیار کیا گیا ہے جب ملک میں امن وامان کا مسئلہ ہمیشہ کی طرح مخدوش ہے اور ارباب اقتدار بلند و بانگ نعروں کے باوجود قوم کو امن وسلامتی جیسے بنیادی حقوق فراہم کرنے سے قاصر ہیں۔ گذشتہ ماہ محرم اور صفر میں عزاداران امام حسینؑ نے جس طرح خوف وہراس کے حالات میں عزاداری امام مظلوم برپا کی ہے، یہ ہماری قوم کے امام حسینؑ کے ساتھ عشق و محبت کی علامت ہے۔ یہی عشق حسینی تھا کہ جس نے قوم کے بچے بچے کو تمام تر خطرات کے باوجود ہر قسم کے چیلنج کو قبول کرنے پر

آمادہ رکھا۔ خصوصاً جلوس ہائے عزا کے خلاف اُموی مشنریوں کی سازشوں اور خطرناک منصوبوں کے باوجود گذشتہ سالوں کی نسبت بڑھ چڑھ کر عزاداری کے جلوسوں میں شرکت کی گئی اور دشمن کو پسپائی پر مجبور کر دیا گیا۔ عاشورۂ محرم کے دوران راولپنڈی شہر میں ہونے والی سازش کے بعد قوم کے زن و مرد اور بوڑھے اور بچے سب نے زینبی فریضہ ادا کرتے ہوئے چہلم امام حسینؑ کے جلوس عزا میں شرکت کی ہے اور اہل بیتؑ کے عاقبت نا اندیش دشمنوں پر واضح کر دیا ہے کہ بقول ہمارے شہید قائدؒ "عزاداری ہماری شہ رگ حیات" ہے۔

اس شمارے میں گفتنی ہا میں دو اہم موضوعات پر چند عرائض قلم بند کیے گئے ہیں۔ ان دونوں موضوعات کی اہمیت بیک وقت علمی بھی ہے اور سیاسی بھی۔ امید ہے یہ عرائض نصیحت اور ہمدردی کا عین مصداق قرار پائیں گے۔ خالصتا علمی مقالات میں پہلا مقالہ "مطالعہ قرآن کے اساسی اصولوں" پر لکھا گیا ہے۔ اس مقالے میں قرآنی آیات میں غور و خوض کے بنیادی اصولوں میں سے پہلے دو اصولوں پر تحقیقی بحث پیش کی گئی ہے۔ اسی طرح سیرت رسول اکرم ﷺ کے مطالعہ کی ضرورت کے بارے میں بھی ایک وقیع مضمون شامل کیا گیا ہے۔ وحدۃ المسلمین اور اسلامی اُخوت بھی ایک ایسا موضوع ہے جس پر کام کرنا اس دور کی اہم ترین ضرورت ہے اور اس موضوع پر جتنا بھی فکری کام کیا جائے کم ہے۔ لہٰذا اس شمارے میں اس حوالے سے بھی ایک مقالہ شامل کیا گیا ہے۔

اسلامی تہذیب کی تشکیل میں مکتب اہل بیت اطہارؑ کے پیروکاروں کے کردار پر ایک معلومات افزا مقالہ بھی قارئین کے ذوق مطالعہ کی نذر کیا جا رہا ہے۔ اسی طرح نہج البلاغہ کے مطالعات کے سلسلے کا ایک اور مقالہ "اسلامی معاشرہ کے خدوخال، نہج البلاغہ کی روشنی میں" کے عنوان سے پیش کیا گیا ہے۔ اس مقالہ میں امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام کے فرمودات کی روشنی میں اسلامی معاشرہ کی امتیازی خصوصیات اجاگر کی گئی ہیں۔ اسی طرح "کاروباری اخلاق" کے موضوع پر ایک علمی مقالہ کے ترجمے کی دوسری قسط بھی شائع کی جا رہی ہے۔ آخر میں زیدیہ فرقے پر نقد و تبصرہ کے حوالے سے ایک فرقہ کی ایک بنیادی کتاب "مسند امام زید" پر بھی ایک تحقیقی مقالہ قارئین کی نذر کیا جا رہا ہے۔ اس بار تمام مقالات کے خلاصوں کے انگلش میں ترجمہ کی زحمت نوجوان اسکالر برادر جناب میثم علی نے اٹھائی ہے جس پر ادارہ اُن کا شکر گزار ہے۔ نیز مقالہ جات کی کمپوزنگ محترم جناب محمد حنیف ڈان اور ڈیزائننگ محترم جناب طاہر حسینی نے انجام دی ہے۔ ادارہ ان کا بھی تہہ دل سے شکر گزار ہے۔

گفتنی ھا

سید رمیز الحسن موسوی*

srhm2000@yahoo.com

جماعت اسلامی اور طالبان

کسی زمانے میں پاکستان کی دینی جماعتوں میں جماعت اسلامی کو ایک نظریاتی جماعت کے طور پر پہنچانا جاتا تھا۔اسلامی سیاست اور حکومت کے داعی ہونے کے حوالے سے جماعت اسلامی کے صف اول کے رہنما، خصوصاً اس کے بانی اور مرشد مولانا ابو الاعلیٰ مودودی مرحوم خاصی شہرت رکھتے تھے۔ مولانا مودودی مرحوم نے اس حوالے سے خاصا علمی کام بھی کیا ہے اور اسلامی ریاست کے بارے میں جدید دور کے مسلمان اسکالرز اور علماء میں اُن کا نام اور کام ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

اسلامی حکومت کے حوالے سے اُن کے مخلصانہ جذبات اس وقت مزید نمایاں ہوتے ہیں کہ جب ایران میں شاہی استبدادیت کا تختہ اُلٹ کر حضرت امام خمینیؒ اسلامی انقلاب کے ذریعے ایک اسلامی حکومت کی بنیاد رکھنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ اس وقت مولانا مودودی مرحوم وہ پہلے مسلمان عالم دین تھے جنہوں نے امام خمینیؒ کو اسلامی انقلاب کی کامیابی اور اسلامی حکومت کے قیام پر مبارک باد دی اور اپنے پیغام میں اسلامی انقلاب کے لئے نیک جذبات اور ہر قسم کے تعاون کی یقین دہانی کرائی۔

یہ چیز اُن کے ایک نظریاتی مسلمان لیڈر ہونے اور مسلک وفرقے کی تفریق سے بالا جذبات کی عکاسی کرتی ہے۔ جس کو پوری دنیا کے مسلمان انقلابی اور نظریاتی لوگ تحسین کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اس چیز نے سید مودودیؒ کو دوسرے علمائے اہل سنت سے بہت ممتاز مقام عطا کر دیا تھا۔اس سے پہلے وہ خلافت وملوکیت کے عنوان سے ایک تحقیقی کتاب لکھنے کی وجہ سے بھی فرقہ پرست علماء کے طعن و تشنیع کا نشانہ

---

* ۔ مدیر مجلّہ سہ ماہی "نور معرفت" نور الہدیٰ مرکز تحقیقات (نمت)، بھارہ کہو، اسلام آباد۔

بن چکے تھے۔ لیکن قرآن وسنت کی حکمرانی کے جذبات کی وجہ سے حوصلہ شکنی کرنے والوں کی کوئی بھی کوشش اُن پر کارگر نہ ہو سکی اور اُنہوں نے مرتے دم تک مکتب خلفاء کے آئینے میں اسلامی حکومت کے قیام کی جدوجہد جاری رکھی۔

اُن کے بعد آنے والے جماعت اسلامی کے رہنماؤں نے بھی اپنے قائد کے اصولوں اور فرمانوں کی روشنی میں اپنا سفر جاری رکھا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جناب قاضی حسین احمد مرحوم تک اس جماعت کے لیڈر اُمت مسلمہ کے اتحاد اور اسلامی نظریات پر مبنی سیاست اور قومی وملی یکجہتی کے لئے کوشاں رہے۔ لیکن قاضی صاحب مرحوم کے بعد جماعت اسلامی کی قیادت اور باگ دوڑ ایسے افراد کے ہاتھوں میں چلی گئی جنہوں اس جماعت کے بانی اور سابقہ رہنماؤں کے برعکس اپنے مقصد کو وسیلے پر قربان کر دیا اور اپنے مقصد کے لئے ہر اُس وسیلے کو اختیار کرنا چاہا جس کا دینی تو کجا انسانی حوالے سے بھی کوئی جواز پیش نہیں کیا جاسکتا۔ طالبان جیسے فاشسٹ گروہ کی پشت پناہی اور حمایت نہ صرف سید مودودیؒ اور جماعت اسلامی کے اہداف کی مخالف ہے۔

بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ جماعت کی یہ سیاست اسلامی اور قرآنی اصولوں کی پامالی کے مترادف ہے۔ طالبان کی طرف سے مسلمان مظلوموں، بچوں، عورتوں اور بے کس لوگوں پر مظالم اور ہزاروں خود کش حملے کس پر ڈھکے چھپے ہیں؟ طالبان اپنی ان تمام سیاہ کاریوں کا خود اعتراف کر چکے ہیں۔ وہ گروہ جو عالمی سامراج خصوصاً امریکی واسرائیلی ایجنڈے کی تکمیل کے لئے وجود میں لایا گیا ہے اور جس کی پوری تاریخ مسلمانوں کی تکفیر اور قتل وغارت سے بھری پڑی ہے۔ جو حزب اقتدار میں ہو یا حزب اختلاف میں ہر دو صورتوں میں امریکی مقاصد کی تکمیل کرتا رہا ہے۔

جماعت اسلامی کی طرف سے ایسے لوگوں کی بیساکھیوں کا سہارا لے کر اسلامی حکومت کا خواب دیکھنا، گویا ظلم کے ستونوں پر عدل کی عمارت کھڑی کرنے کی کوشش کے مترادف ہے۔ جماعت اسلامی کی موجودہ قیادت کے طرز عمل کو قرآنی نکتہ نظر سے بھی دیکھیں تو یہ واضح طور پر ظالمین کی مدد اور حمایت ہے اور آتش جہنم کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ سورہ مبارکہ ہود، آیت ۱۱۳ میں ارشاد باری تعالی ہے:

وَلاَ تَرْكَنُواْ إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُواْ فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُم مِّن دُونِ اللّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ثُمَّ لاَ تُنصَرُونَ

یعنی: "اور تم ایسے لوگوں کی طرف مت جھکنا جو ظلم کر رہے ہیں ورنہ تمہیں آتش (دوزخ) آچھوئے گی اور تمہارے لئے اللہ کے سوا کوئی مددگار نہ ہوگا پھر تمہاری مدد (بھی) نہیں کی جائے گی۔"

بد قسمتی سے جماعت اسلامی کے سربراہوں کے بیانات اور ان کے رجحانات اس قرآنی اصول کی صریح خلاف ورزی اور قرآن سے دوری کے مترادف ہیں۔ اکثر پاکستانی صحافی اور تجزیہ نگار جماعت اسلامی کے اس غیر دینی اور غیر معتدل رویے کے بارے میں اسی قسم کے خیالات رکھتے ہیں۔ مگر بہت کم ایسے ہیں جو کھل کر بات کہہ سکیں۔

جماعت کے دہشت گردوں کے ساتھ روابط کے واضح ثبوت میڈیا کے سامنے آچکے ہیں۔ لیکن نہ جانے کیا وجہ ہے کہ میڈیا جماعت اسلامی پر کھل کر تنقید نہیں کر رہا۔ حکیم اللہ اور اسامہ کو شہید کہنا اور پاکستانی فوج کے جوان جو طالبان کے خلاف جنگ کرتے ہوئے اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں، انھیں مردار کہنے کے بعد بھی جماعت اسلامی پر وہ تنقید نہیں ہوئی جو دوسروں پر ہوتی ہے۔ اسلام میں اقتدار کا حصول مقصد نہیں ہے، بلکہ اقتدار تو الٰہی قوانین کو نافذ کرنے کا وسیلہ ہے۔ لیکن جب الٰہی قوانین کی جڑیں کاٹنے والوں اور مسلمانوں کا بے گناہ خون بہانے والوں ہی کے سہارے اقتدار حاصل کرنے کی سعی کی جائے تو پھر اسلامی اقدار کی حکمرانی کا نعرہ کیا معنیٰ رکھتا ہے؟

جماعت اسلامی کی یہ حالت دیکھ کر یقین ہو جاتا ہے کہ پوری دنیا میں اور خصوصاً پاکستان میں عالمی استکبار سے وابستہ ایسی خفیہ قوتیں موجود ہیں جو دینی تحریکوں کو اندر سے کھوکھلا کرنے کی مکمل صلاحیت رکھتی ہیں اور اُنہیں غیر موثر بنا دیتی ہیں۔ بہت سی دوسری اسلامی تحریکوں کی طرح جماعت اسلامی کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا ہے کہ تدریجاً اس کے اندر نفوذ کر کے اس کی دینی اور اسلامی شناخت کو ختم کر دیا گیا ہے۔ لہٰذا آج تمام نظریاتی لوگ جماعت اسلامی جیسی تحریکوں سے وابستگی کو اپنے لئے باعث عار سمجھ رہے ہیں۔ ہمیں توقع ہے کہ جماعت کی قیادت کے لیے ہمارے یہ عرائض، یادآوری قرار پائیں گے اور جماعت کی قیادت اسلام دوستی کو اپنی ترجیح اول قرار دیتے ہوئے قرآن کریم کے ظالم کی مخالفت اور مظلوم کی معاونت کے اساسی اصول کو اپنی سیاسی جدوجہد کا سنہری اصول قرار دے گی۔

انداز بیاں گرچہ بہت خوب نہیں ہے شاید کہ اتر جائے تیرے دل میں میری بات

دینی مدارس کے وفاق

اسلامی جمہوریہ پاکستان کی تشکیل اور تعمیر و ترقی میں دینی مدارس کا کلیدی کردار، ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ ان مدارس میں جو مقدس فریضہ انجام دیا جاتا ہے وہ اسلامی تعلیم و تربیت کا فریضہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان کے دینی مدارس، اپنے ہدف، فریضہ اور اپنے کردار کے تقدس کی وجہ سے ایک خاص تقدس کے حامل ہیں۔ بلا شک و شبہ:

قسمت نوع بشر تبدیل ہوتی ہے یہاں اک مقدس فرض کی تکمیل ہوتی ہے یہاں

دینی مدارس کے اس تقدس کو پامال کرنا کسی صورت درست نہیں ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ مدارس کا نظام کسی نقد و نظر کا محتاج نہیں۔ موجودہ دور میں پاکستان کے دینی مدارس کے نظام پر دوست، دشمن سب نظریں جمائے ہوئے ہیں۔ دینی علوم اور بالخصوص اسلامی علوم میں اقوام سازی کی وہ طاقت پائی جاتی ہے کہ رنگ و نسل اور جغرافیائی حدود کا فرق مٹا کر افراد کو ایک قومیت کی رسی میں پرو سکتے ہیں۔ اس کے برعکس، اگر ان مدارس کا تعلیمی و تربیتی نظام غلط ڈگر پر جا رہا ہو تو یہ ملتوں کا شیرازہ بکھیرنے کا سب سے سستا لیکن کامیاب حربہ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ دین دوستوں کو یہ توقع ہے کہ ملکی مسائل کے حل میں دینی مدارس اپنا کردار ادا کریں۔ جبکہ دشمن طاقتیں خائف ہیں کہ کہیں دینی مدارس اس ملک کی سالمیت اور تعمیر و ترقی میں اپنے کردار میں سرگرم نہ ہو جائیں۔ دینی مدارس کے مثبت کردار سے خائف ہو کر اسلام دشمن طاقتوں نے ہمیشہ پاکستان کے دینی مدارس کے نظام کو ٹارگٹ کیا ہے۔ اس کی واضح مثال مشرف دور میں بیرونی طاقتوں کے ایماء پر مدارس کے نظام میں تبدیلیوں کی تحریک ہے۔

تعلیم و تربیت، قومی سلامتی اور وطنیت کی تشکیل میں دینی مدارس کے اساسی کردار کے پس منظر میں دینی مدارس کے موضوع پر قومی سطح پر کئی مباحث (Debates) شروع ہو چکی ہیں۔ اس موضوع پر بہت کچھ لکھا جا رہا ہے اور لکھا جائے گا۔ لیکن ہم اس حوالے سے فقط ایک انتہائی اہم موضوع کی طرف توجہ مبذول کروانا چاہتے ہیں۔ یعنی دینی مدارس کے وفاق اور بالخصوص وفاق المدارس الشیعہ کا کردار۔ ہمارے خیال میں دینی مدارس کے وفاق، مدراس دینیہ کے نظام میں پائی جانے والی ہر خامی کو دور کرنے کی سب سے زیادہ اہلیت اور صلاحیت رکھتے ہیں۔

لہٰذا اس سے قبل کہ مدارس دینیہ کا تعلیم وتربیت کا نظام اپنی داخلی کمزوریوں اور بنیادی خامیوں کی وجہ سے فرسودہ ہو جائے یا اپنی افادیت کھو دے یا اِس سے قبل کہ دین دشمن طاقتیں مختلف حیلوں، بہانوں سے اس مقدس نظام کو اپنی ڈگر سے ہٹا دیں، ان مدارس کے نظام میں اصلاحات کا آغاز خود مدارس کے وفاقوں کے پلیٹ فارم سے شروع ہونا چاہیے۔

البتہ یہ یادآوری کسی طرح ہم دینی مدارس کے نظام کو ہماہنگ کرنے میں وفاقوں کی مساعی کے انکار کے مترادف نہیں ہے۔ یقیناً اس حوالے سے دینی مدارس کے وفاقوں کی مساعی قابل تقدیر وتشکر ہیں۔ لیکن ہم یہاں ایک بیرونی منظر سے، ایک آئیڈیل وفاق کی ذمہ داریوں کے تعیّن پر گفتگو کر رہے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں "کیا ہے؟" پر بحث نہیں، "کیا ہونا چاہیے؟" پر بحث ہے اور وہ بھی کسی وفاق کے داخلی سٹرکچر سے قطعِ نظر؛ کیونکہ یہ عین ممکن ہے کہ یہ ادارے اپنے نصب العین، اپنی ماہیت اور دستور العمل کے مطابق بالکل ٹھیک ڈگر پر جا رہے ہوں۔

ہاں! اتنا ضرور ہے کہ ہمارے خیال میں عصر حاضر کے تقاضے پورے کرنے میں یہ وفاق، منجملہ وفاق المدارس الشیعہ ابھی ناکام ہیں۔ عصر حاضر کا ایک اہم تقاضا دینی مدارس کے نظام کی اصلاح اور اسے موثر بنانا ہے۔ یہاں ایک اساسی سوال یہی ہے کہ اس حوالے سے وفاق المدارس کیا کردار ادا کر سکتے ہیں؟ ہم یہاں اس سوال کا جواب دینے کے درپے نہیں بلکہ اصل ہدف ایک اساسی مسئلہ کی طرف توجہ مبذول کروانا ہے۔ ویسے بھی اس اساسی سوال کا جواب کسی فردِ واحد یا گنے چنے چند مدارس کے اساتذہ فراہم نہیں کر سکتے۔ اور بالفرض، اگر وہ ایسا کر بھی لیں، تب بھی تمام مدارس کے لیے وہ کوئی ایسی پالیسی نہیں دے سکتے جس پر سب کے عمل پیرا ہونے کی کوئی ضمانت فراہم کی جا سکے۔

البتہ اجمالی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ دینی مدارس کے وفاقوں کو جن اہم امور پر توجہ دینے کی ضرورت ہے ان میں قومی سالمیت میں ان کے کردار کی تعیین، سرفہرست ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ دینی مدارس کے تعلیمی نظام میں بشری علوم یا (Human Sciences) پر توجہ کا خلاء پر کرنے کے لیے سوچ وبچار ضروری ہے۔ دینی مدارس کے تعلیمی نظام کا سائنس اور ٹیکنالوجی، نیز بشری علوم کے باب میں بنی نوع بشر کی تازہ ترین کشفیات اور تجارب سے دور، بلکہ ناآشنا رہنا ہے، از خود ایک توجہ طلب معاملہ ہے۔ گویا ہمارے ملک کے بیشتر دینی مدارس ایک ایسے جزیرے میں ہیں جس تک ان تازہ کشفیات اور تجربات کی ترسیل ناممکن ہے۔

اس کے علاوہ عصر حاضر میں بنی نوع بشر نے ایجوکیشنل ٹیکنالوجی کے میدان میں جو کچھ کشف کیا ہے، گویا اس کا عشر عشیر بھی ہمارے دینی مدارس کے تعلیمی نظام اور نصاب کا حصہ بننے کے لائق نہیں ہے۔ آیا ہم ہمیشہ صدیوں پرانی تعلیمی ٹیکنالوجی استعمال کرتے رہیں گے؟ دینی مدارس کے تعلیمی و تربیتی نظام میں اُن علوم سے بیگانگی جو ابزاری علوم یا Skills شمار ہوتے ہیں، از خود ایک اور مشکل ہے۔

دینی مدارس کے تعلیمی نظام کی ایک اہم مشکل مدارس کے نصاب پر بروقت اور مناسب نظر ثانی نہ ہونا ہے۔ موجودہ دور میں مختلف تعلیمی نظاموں میں جس سرعت سے تعلیمی نصاب پر نظر ثانی کا کام انجام پاتا ہے، دینی مدارس کا نظام گویا ایسی نظر ثانی کا قائل ہی نہیں ہے۔ بدقسمتی سے اس حوالے سے کوئی موثر کام انجام پاتا نظر نہیں آ رہا۔ خلاصہ یہ کہ عصر حاضر کے ان شدید چیلنجز کے پس منظر میں شیعہ مدارس کی اپنے تئیں وفاق سے توقع یہ ہے کہ وہ قدرے بیشتر اور بہتر کردار ادا کرے۔ وفاق المدارس الشیعہ کو اپنی آغوش سب کے لیے یکساں طور پر کھلی رکھنی چاہیے اور آل پاکستان شیعہ مدارس کی ایسی نشستوں کا اہتمام کرنا چاہیے جن میں باہمی مشورت سے موجودہ دور کے تقاضوں سے پنجہ آزمائی کی مضبوط پالیسی مرتب کی جاسکے۔

نیز وفاق المدارس الشیعہ کو قومی پلیٹ فارم پر کوئی اقدام اٹھانے سے پہلے یا کم از کم بعد میں دینی مدارس کو اعتماد میں لینا چاہیے۔ کئی ملکی اور غیر ملکی اجلاسوں میں وفاق جب ایک شیعہ وفاق کی حیثیت سے ترجمانی کرتا ہے تو کم از کم تمام شیعہ مدارس کو ان اجلاسوں کی روئیداد اور ان میں پیش کردہ مباحث اور شیعہ وفاق کے مؤقف کی اطلاع رسانی ضروری ہے۔ ہمارے خیال میں اِس سے نہ تنہا وفاق المدارس الشیعہ کی افادیت میں اضافہ ہوگا بلکہ اس سے مستقبل میں مدارس کے افتراق کے ہر منفی رجحان کو روکنے میں بھی مدد ملے گی۔ ہماری توقع ہے کہ یہ چند عرائض کسی کی رنجشِ خاطر کا سبب نہیں، بلکہ دینی مدارس کے تمام وفاقوں، بالخصوص وفاق المدارس الشیعہ کی بہتری اور اسے موثر تر بنانے کا سبب بنیں گی۔ ان شاء اللہ!

مطالعۂ قرآن کے اساسی اصول (1)

ڈاکٹر شیخ محمد حسنین*

sheikh.hasnain2000@gmail.com

کلیدی کلمات: قرآن، مطالعہ، اصول، ہدایت، عصمت، نیچرل سائنسز، معلم۔

خلاصہ:

قرآن کریم ایک آسمانی کتاب ہے۔ اس کے مطالب میں غور و خوض کے چند اساسی اصول ہیں اور جب تک ایک قاری کی نظر ان اصول و ضوابط پر نہ ہو وہ قرآن فہمی میں گمراہی کا شکار ہو سکتا ہے۔ اس موضوع پر پہلے مقالہ میں مطالعۂ قرآن کے دو اساسی اصول بیان ہوئے ہیں: ان میں پہلا اصول یہ ہے کہ قرآن کریم بنیادی طور پر انسانی فکر و عمل کی ہدایت کی کتاب ہے اور اس کی ہدایت کے سائے میں چل کر انسانیت کا کاروان، سعادت کی اعلی منزل پر فائز ہو سکتا ہے۔ لہٰذا اس کتاب کا مطالعہ اس سے فکر و عمل کے میدان میں ہدایت کی طلب کی غرض سے کیا جائے۔ لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ یہ کتاب سائنسی علوم اور بشری علوم کے باب میں کوئی رہنمائی فراہم نہیں کرتی۔ برعکس، اس مقالہ کا مدعی یہ ہے کہ قرآن کریم میں تمام علوم کی اساسی معلومات کشف کی جا سکتی ہیں۔

مطالعۂ قرآن کا دوسرا اساسی اصول یہ ہے کہ قرآن کے حقیقی معلّمین کی رہنمائی کے بغیر قرآن فہمی کی کوشش نتیجہ بخش ثابت نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا قرآن کریم کے قاری کا کوئی ایسا فہم جو ان معلّمین قرآن کے قرآن سے فہم سے تضاد یا ٹکراؤ میں ہو، غیر قابل اعتماد ہے۔ مطالعۂ قرآن کے مذکورہ بالا اصول، جلال الدین سیوطی، علامہ طباطبائی، مصطفیٰ خمینی، جوادی آملی اور عمید زنجانی جیسے ماہرین قرآنیات کے نظریات پر نقد و نظر اور قرآنی آیات میں تأمل کے بعد اخذ کیے گئے ہیں۔

*۔ محقق، استاذ فلسفہ اسلامی، ڈائریکٹر نور الہدیٰ مرکز تحقیقات (نمت)، بارہ کہو، اسلام آباد۔

مقدمہ

مجلّہ نور معرفت کے سابقہ شمارے میں ہم ایک مستقل مقالہ میں ہر انسان کے لیے قرآن کریم کے مطالعہ کی اہمیت اور ضرورت پر بحث کر چکے ہیں۔ سابقہ مقالے کا خلاصہ یہ تھا کہ ہر انسان کے لیے (خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم) قرآن کریم کا مطالعہ اور قرآنی مطالب میں غور و خوض انتہائی ضروری ہے۔ موجودہ مقالہ میں ہماری کوشش ہو گی کہ قرآن کریم کے مطالب میں غور و خوض کے چند ایسے اساسی اصولوں کی وضاحت پیش کر دیں جو قرآنیات کے ماہرین نے بیان فرمائے ہیں۔ اگر مطالعۂ قرآن میں اِن بنیادی اصولوں کا خیال نہ رکھا جائے تو قرآن کا قاری کئی مقامات پر قرآن فہمی میں بے راہ روی کا شکار ہو سکتا ہے۔ لہٰذا قرآن کے با مقصد مطالعہ کے لیے اِن قوانین کو دیکھ لینا بہت ضروری ہے۔

مطالعۂ قرآن کا پہلا اساسی اصول (قرآن، کتاب ہدایت)

مطالعۂ قرآن کا ایک بنیادی اصول جو اِس فن کے بعض اساتذہ نے بیان فرمایا ہے، یہ ہے کہ قرآن کریم اللہ تعالی کی نازل کردہ کتاب ہے۔ یہ کلام، اللہ تعالی کا کلام ہے، لہٰذا اس کی شناخت کا ایک اساسی اصول یہ ہے کہ قرآن کا جو تعارف اللہ تعالی نے کروایا ہے، اُس سے تجاوز نہ کیا جائے۔ اس حوالے سے استاد آیۃ اللہ جوادی آملی حفظہ اللہ لکھتے ہیں:

> خدای سبحان که متکلم قرآن و نازل کننده آن است، از هر موجود دیگری قرآن را بهتر می شناسد و در تعریف او شایسته تر از هر صاحب نظر دیگر است (۱)
>
> یعنی: " اللہ تعالی جو کہ قرآن کریم کا متکلم اور اس کا نازل کرنے والا ہے، دیگر تمام موجودات سے قرآن کو بہتر سمجھتا ہے اور قرآن کی تعریف میں ہر صاحب نظر سے زیادہ شائستہ اُسی کی نظر ہے۔"

دوسرے الفاظ میں کسی قاری کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اپنے مزاج یا اپنی بشری توقعات کی بنیاد پر قرآن کریم کے بارے میں مثال کے طور پر یہ فیصلہ دے کہ قرآن فلکیات کی کتاب ہے یا طبیعیات کی کتاب۔ یہ تاریخی داستانوں کا بیان ہے یا اس کے مضامین میں ریاضیات اور ہندسہ و حساب کے فارمولے

ڈھونڈے جائیں۔ قرآن کریم کے بارے میں اپنے حدس و گمان کی بنیاد پر ایسی کوئی بھی رائے قائم کرنا، نادرست ہے۔ بلکہ قرآن شناسی کی صحیح روش یہ ہے کہ دیکھا جائے کہ خود اللہ تعالی نے قرآن کریم کو کس قسم کی کتاب قرار دیا ہے۔

دراصل مطالعۂ قرآن کے مذکورہ بالا اصول کے پس پردہ بعض مفسرین کی وہ روش ہے جو انہوں نے قرآن کی تفسیر اور قرآنی مطالب میں غور وخوض میں اپنائی ہے۔ انہوں نے قرآن کریم کی آیات میں افراط کی حد تک نیچرل سائنسز اور بشری علوم ڈھونڈنے کی کوشش کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ قرآن جو کہ کتاب تدوین ہے، اس میں وہ سب حقائق بیان ہوئے ہیں جو عالم تکوین میں پائے جاتے ہیں۔ گویا کتابِ تکوین اور کتابِ تدوین میں بالکل برابری پائی جاتی ہے۔ لہٰذا ان کے زعم میں عالم ہستی کے تمام حقائق کا راز قرآنی آیات میں کشف کیا جاسکتا ہے؛ تمام بشری علوم کے نتائج قرآنی آیات سے اخذ کیے جاسکتے ہیں اور تمام سائنسی علوم اور انکشافات کو بھی قرآنی آیات و مطالب سے لیا جاسکتا ہے۔

اس روش کی عمدہ مثالیں طنطاوی کی تفسیر "الجواہر فی تفسیر القرآن" میں پائی جاسکتی ہیں۔ یہاں تک کہ اُس سے منسوب ہے کہ ہوائی جہاز کی ایجاد کا راز بھی " فبعث اللہ غرابا یبحث فی الارض " (۲) جیسی آیات میں پایا جاتا ہے۔ (۳) البتہ یہ نظریہ کوئی جدید نظریہ نہیں بلکہ اس کی جڑیں بعض اصحاب پیغمبر اکرم ﷺ کے بیانات میں بھی ڈھونڈی جاسکتی ہیں۔ مثال کے طور پر " الاتقان " میں سیوطی نے جہاں قرآن کریم کی جامعیت پر کئی اصحاب واحباب کے اقوال نقل کیے ہیں وہاں وہ ابن عباس سے یہ قول نقل کرتے ہیں:

لوضاع لی عقال بعیر لوجدتہ فی کتاب اللہ تعالی (۴)

یعنی: "اگر میرے اونٹ کے پاؤں باندھنے کی رسی بھی گم ہو جائے تو میں اُسے اللہ کی کتاب میں پالوں گا۔"

مذکورہ بالا روش کے مقابلے میں جو روش اپنائی جاسکتی ہے وہ یہ ہے کہ قرآن کریم کو ایک ایسی آسمانی کتاب قرار دیا جائے جو تنہا سُپر نیچرل مسائل کے بیان کے لیے ہے اور اور اس کا ہدف انسان کی آخرت آباد کرنے کے سوا کچھ نہیں۔ لہٰذا قرآنی تعلیمات میں دنیاوی علوم اور سائنسی انکشافات و ایجادات کے راز ڈھونڈنا سراسر غلط ہے۔

یقیناً قرآن کریم کی تلاوت اور اس کے مطالب میں غور و خوض کے دوران اگر ایک قاری کا عقیدہ یہ ہو گا کہ قرآن میں سائنس و ٹیکنالوجی، تاریخ و فلسفہ اور ریاضیات و عمرانیات جیسے علوم کے تمام مسائل کا حل پایا جاتا ہے تو ایسا قاری قرآنی مطالب میں غور و خوض کے دوران قرآن کو نیچرل سائنسز کے مطالعہ کی عینک لگا کر تلاوت کرے گا۔ اس کے برعکس، اگر ایک قاری کا عقیدہ یہ ہو گا کہ قرآن کریم میں فقط حلال و حرام، صوم و صلاۃ، قبر و برزخ اور بہشت و دوزخ کے موضوعات پر بحث ہوئی ہے تو وہ دُنیاوی مسائل کے حل و فصل میں قرآن سے رہنمائی لینے کی کوئی سنجیدہ کوشش نہیں کرے گا۔

لہٰذا یہ طے کر لینا بہت ضروری ہے کہ قرآن کریم کو کس نگاہ سے دیکھا جائے اور اِسے کس قسم کی کتاب قرار دے کر اس کے مطالب میں غور و خوض کیا جائے۔ اس حوالے سے استادِ قرآن، آیۃ اللہ جوادی آملی کا کہنا ہے کہ ہم قرآن کے بارے میں اپنے حدس و گمان اور بشری توقعات کی بنیاد پر کوئی رائے قائم نہ کریں بلکہ یہ دیکھا جائے کہ خود اللہ تعالی نے اپنی کتاب کا کیا تعارف پیش کیا ہے۔

اگر ہم اس سوال کا جواب خود کلام الٰہی میں ڈھونڈنا چاہیں کہ قرآن کیسی کتاب ہے تو یقیناً جواب یہی نظر آتا ہے کہ قرآن ہدایت کی کتاب ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے:

۱. ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ (۵)

یعنی: "یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شبہ نہیں؛ اس میں صاحبان تقوی کے لیے ہدایت ہے۔"

۲. فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ

یعنی: "اُس (جبرائیل) نے اس کتاب کو اللہ کے اذن سے آپ کے قلب پر نازل کیا؛ جو اُن (آسمانی کتابوں) کی تصدیق کرنے والا ہے جو پہلے سے موجود ہیں اور (یہ قرآن) ایمان والوں کے لیے ہدایت اور بشارت ہے۔" (۶)

۳. شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ

یعنی: "رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو لوگوں کے لیے ہدایت ہے اور ایسے دلائل پر مشتمل ہے جو ہدایت ہیں اور حق و باطل میں امتیاز ڈالنے والے ہیں۔" (۷)

۴. نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ (۸)

یعنی: " (اے رسول!) اس نے آپ پر حق پر مبنی ایک کتاب نازل کی جو سابقہ کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور اس نے اس سے پہلے انسانوں کی ہدایت کے لیے تورات اور انجیل کو نازل کیا اور حق و باطل میں امتیاز کرنے والا (قانون) نازل فرمایا۔"

مذکورہ آیات میں ادنی تامل سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ نہ فقط قرآن کریم، بلکہ تمام آسمانی کتب کا اصل موضوع، بنی نوع انسان کی ہدایت ہے۔ قرآن کریم انسانی سعادت اور شقاوت کے اسباب کا بیان ہے۔ قرآنی تعلیمات کا اساسی محور عقیدہ اور عمل کے میدان میں انسان کی رہنمائی ہے۔ قرآن بنیادی طور پر کائنات کے آغاز و انجام (مبداء و معاد) کی شناخت کی کتاب ہے۔ یہ انسانی فطرت اور انسانی ماہیت کا بیان ہے اور انسان کو یہ بتاتی ہے کہ اُس کی ابتداء اور انتہاء کیا ہے، زندگی کے سفر میں اس کا رہنما کون ہے اور اسے کس کے بتائے ہوئے اصول و ضوابط کی روشنی میں، کن راستوں پر چلتے ہوئے زندگی کا سفر طے کرنا چاہیے۔

پس قرآن کریم کو سائنس اور ٹیکنالوجی یا صنعت اور Skills کی کتاب قرار دینا قرآنی مطالب میں غور و خوض کے بنیادی اصول کے خلاف ہے۔ اِس سے بڑی کجروی یہ ہے کہ قرآن کریم کی اُن آیات کی تفسیر بھی نیچرل سائنسز کی کشفیات کے معیار پر کی جائے جو سپر نیچرل (مابعد الطبیعی) حقائق کا بیان ہیں۔ علامہ طباطبائی علیہ الرحمہ تفسیر المیزان کے مقدمہ میں بعض مفسرین کی اِسی کجروی کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں:

و أنت بالتأمل فی جمیع هذه المسالك المنقولة فی التفسیر تجد: أن الجمیع مشترکة فی نقص و بئس النقص، و هو تحمیل ما أنتجه الأبحاث العلمیة أو الفلسفیة من خارج علی مدالیل الآیات... و لازم ذلك (کما أومأنا إلیه فی أوائل الکلام) أن یکون القرآن الذی یعرف نفسه (بأنه هدی للعالمین و نور مبین و تبیان لکل شیء) مهدیا إلیه بغیره و مستنیرا بغیره و مبینا بغیره، فما هذا الغیر! و ما شأنه! و بما ذا یهدی إلیه! و ما هو المرجع و الملجأ إذا اختلف فیه! (۹)

یعنی: "قرآن کریم کی تفسیر میں وجود میں آنے والے مختلف مکاتب اور روشوں میں دقت اور تامل سے آپ پر یہ حقیقت آشکار ہو جائے گی کہ یہ سب ایک نقص میں باہم مشترک

ہیں اور یہ نقص کتنا ہی بُرا اور بڑا نقص ہے۔ نقص یہ ہے کہ قرآنی آیات کے معانی پر وہ علمی قاعدے اور قانون ٹونسے جائیں جو سائنسی اور فلسفی مباحث کے نتیجے میں سامنے آئے ہیں... اس انحراف کا نتیجہ (جیسا کہ ہم نے اس بحث کی ابتداء میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے) یہ ہے کہ قرآن جو خود کو "ھدی للعالمین"، "نور مبین" اور تبیان لکل شیئ" قرار دیتا ہے، اُس سے ہم اس وقت تک نہ ہدایت پا سکیں اور نہ ہی نورِ ہدایت حاصل نہ کر سکیں جب تک کہ ہم اس کے غیر (نیچرل سائنسز وغیرہ) کے دروازے پر نہ آجائیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ یہ غیر ہے کیا! اور اِس کی حیثیت کیا ہے! اور یہ لے کہاں جاتا ہے کرتا ہے؟ اور اگر خود اسی غیر میں اختلاف رونما ہو جائے تو پھر چارۂ کار کیا ہو گا۔"

عظیم محقق اور مفسر قرآن، علامہ سید مصطفیٰ خمینی نے بھی طنطاوی جیسے مفسرین کی قرآنی آیات کو سائنسی علوم کے قوانین کی روشنی میں دیکھنے کی روش پر سخت تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے:

وأما ما قد يقال: إن الابتكارات الطبيعية حصلت من الآيات الإلهية والقرآن الكريم، فهو من الجزاف جدا، ولاينبغي للقرآن ذلك، فإن القرآن يعرف نفسه ويعلن خاصته، ويظهر ويعرب عما هو عليه من المعنويات، ولو كانت الآيات رمزتلك المسائل، ولكن هذا العرض العريض المشهود في العصر في ناحية الاختراعات والحضارة الأروبية، ليس مستندا إليه بالقطع واليقين. فما صنعه بعض المفسرين في العصر الأخير، (۱۰) ظنا أن الأمر كذلك، ومستشعرا من الآيات بعض الحوادث اليومية و المصنوعات الجديدة، خال عن التحصيل جدّا. (۱۱)

یعنی: "جہاں تک اس دعوی کا تعلق ہے کہ سائنسی انکشافات کا سرچشمہ آیات الٰہیہ اور قرآن کریم ہے، تو یہ سراسر غلط ہے۔ یہ بات قرآن کے شایان شان ہی نہیں ہے۔ یقینا قرآن اپنا تعارف خود کرواتا ہے اور اپنی ماہیت کا اعلان کرتا ہے اور قرآن جن معنوی امور کے بیان کے لیے نازل کیا گیا ہے، انہیں واضح بیان اور صاف آشکار کرتا ہے۔ اگر قرآنی آیات ان مسائل کا رمز مان بھی لیا جائے، تب بھی عصر حاضر میں سامنے آنے والے سائنسی انکشافات اور یورپی تمدن میں منظر عام پر آنے والی اختراعات کا سرچشمہ یقینا قرآنی آیات نہیں

ہیں۔ لہٰذا آخری دور کے بعض مفسرین نے (قرآن کریم کی جو سائنسی) تفسیریں اس زعم میں مبتلا ہو کر کی ہیں کہ قرآن سائنسی انکشافات کا بیان ہے اور انہوں نے بعض روزمرہ حوادث اور جدید اختراعات کا سرچشمہ قرآنی آیات کو قرار دیا ہے، اُن کی یہ روش تحقیق کے سراسر منافی ہے۔"

لہٰذا قرآن کریم کے مطالب میں غور و خوض کا بنیادی اصول یہ ہے کہ اس کتاب کو ہدایت کی کتاب قرار دے کر اس کا مطالعہ کیا جائے۔ قرآنی مطالب میں غور و خوض کا یہ بنیادی اصول، یقینا ایک مسلمہ اصول ہے اور اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ قرآن کریم کی ہر آیت اور ہر سورہ اپنے اندر انسانی ہدایت کا سامان لیے ہوئے ہے۔ لیکن یہاں اس غلط فہمی کا ازالہ بھی ضروری ہے کہ قرآن کریم نے (اگرچہ ہدایت کی غرض و غایت سے) کئی مقامات پر جہانی حقائق پر بحث کی ہے۔ قرآن نے جہاں اپنی تشریعی آیات Lageslative / Canonized Verses میں بنی نوع بشر کو راستہ دکھایا ہے، وہاں اپنی توصیفی آیات Descriptive Verses میں کائناتی حقائق بیان کیے ہیں۔

یقینا قرآن کریم کی یہ آیات، عینی یا Concert حقائق کا بیان ہیں۔ لہٰذا جہاں قرآن کریم نے جہانی حقائق بیان کیے ہیں اور جس حد میں بیان کیے ہیں، ان حقائق سے بعض سائنسی کشفیات تک پہنچنا بھی عین ممکن ہے۔ لہٰذا ہماری نظر میں جہاں تمام قرآنی آیات کو نیچرل سائنسز کے قوانین کے تناظر میں دیکھنا افراط ہے، وہاں قرآنی آیات سے ہر قسم کے سائنسی استفادہ کو ممنوع قرار دینا بھی تفریط ہے۔ اگر ہم خود قرآن کریم کی بعض آیات میں غور کریں تو ان کا ظاہر یہی ہے کہ قرآن ہر شئے کا بیانگر ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے:

۱. مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِىْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَىْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ (12)

یعنی: " قرآن گھڑی ہوئی باتیں نہیں بلکہ اپنے سے پہلے نازل شدہ کلام کی تصدیق ہے اور اس میں ہر شئے کی تفصیل موجود ہے اور یہ ایمان لانے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔"

۲. وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَىْءٍ وَهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ (۱۳)

یعنی: "اور ہم نے آپ پر یہ کتاب (قرآن) نازل کی ہے جو ہر شئے کا بیان ہے اور ہدایت ہے اور رحمت ہے اور مسلمانوں کے لیے بشارت ہے۔"

۳. وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِی السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ (۱۴)

یعنی: "آسمان و زمین میں ایسی کوئی غائب چیز نہیں ہے کہ جس کا بیان اس کھلی کتاب میں نہ ہو۔"

۴. وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا یَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِیْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ (۱۵)

یعنی: "اور کوئی پتہ نہیں گرتا مگر یہ کہ اس کا علم اللہ کو حاصل ہے اور نہ زمین کی تاریکیوں میں کوئی دانہ اور نہ کوئی خشک و تر ایسا ہے کہ جس کا علم کھلی کتاب میں موجود نہ ہو۔"

۵. مَا فَرَّطْنَا فِی الْکِتٰبِ مِنْ شَیْءٍ ثُمَّ اِلٰی رَبِّهِمْ یُحْشَرُوْنَ (۱۶)

یعنی: "ہم نے اس کتاب میں کسی چیز کی کمی نہیں چھوڑی؛ پھر سب اپنے پالنے والے کے پاس جمع کیے جائیں گے۔"

ان آیات کا ظاہر یہی ہے کہ قرآن کریم میں ہر خشک و تر کا تذکرہ موجود ہے۔ اگر ان آیات کے عموم کو قید نہ لگائی جائے تو یقیناً ان سے یہ استفادہ ہوتا ہے کہ قرآنی آیات میں تمام کائناتی حقائق، منجملہ سائنسی حقائق کا بیان موجود ہے۔ یہاں یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ قرآن کا یہ تعارف خود قرآن سے نہیں لیا گیا۔ لیکن اگر بعض ماہرین قرآنیات کا اصرار ہو کہ قرآن میں ہر خشک و تر کے تذکرے سے مراد فقط وہ خشک و تر ہے جو انسانی ہدایت کے راستے میں کام آسکتا ہے یا اگر بعض کا اصرار ہو عام انسان یہ صلاحیت اور لیاقت نہیں رکھتے کہ قرآن سے ہر خشک و تر کے رمز و راز کشف کر سکیں تب بھی قرآنی آیات سے نیچرل سائنسز یا بشری علوم کے مسائل کا حل تلاش کرنے کی مکمل مخالفت، قرین صحت نظر نہیں آتی۔

بالخصوص جب ایک مفسر کا دعوی یہ بھی ہو کہ قرآن کریم موجودات ہستی کی حقیقت کا بیان ہے اور اس میں نیچرل اور سُپر نیچرل (طبیعی و مابعد الطبیعی) سب موجودات کی حقیقت بیان ہوئی ہے۔ ایسے میں کس طرح قرآن کریم کی آیات اور اس کے مطالب کو عالم طبیعت کے حقیقتوں کے بیان سے بالکل بیگانہ قرار دیا جا سکتا ہے؟

لہٰذا ہمارے خیال میں اِس حوالے سے جلال الدین سیوطی کے "فی العلوم المستنبطة من القرآن" کے باب میں مؤقف کے صدر و ذیل میں تضاد پایا جاتا ہے۔ ان کا دعوی تو یہ ہے کہ:

"اور میں یہ کہتا ہوں کہ اللہ تعالی کی کتاب ہر شئے (کے بیان) پر مشتمل ہے۔ جہاں تک علوم کی انواع کا تعلق ہے تو کسی علم کا کوئی باب اور کوئی مسئلہ ایسا نہیں ہے کہ جو طے شدہ ہو اور اُس پر قرآن کریم سے کوئی دلیل موجود نہ ہو۔" (۱۷)

لیکن جب وہ قرآن سے اخذ شدہ علوم کی فہرست پیش کرتے ہیں تو اس میں اکثر رائج بشری علوم اور نیچرل سائنسز کا نام نہیں ملتا۔ خلاصہ یہ کہ قرآنی آیات سے نیچرل سائنسز یا بشری علوم کے مسائل کا حل تلاش کرنے کی ہر لحاظ سے مخالفت، قرین صحت نہیں ہے۔

ہاں! یہ امر اپنی جگہ تسلیم شدہ ہے کہ قرآن کریم کی غرض و غایت اور فلسفۂ وجودی، حقائق ہستی کا ایسا بیان ہے جس کے نتیجہ میں انسان ہدایت پائے اور سعادت مند ہو۔ لہٰذا اگر قرآن کریم میں کہیں نیچرل سائنسز کے مسائل بیان بھی ہوئے ہیں تو اِس غرض سے نہیں کہ انسان کہکشاوں پر کمند ڈال سکے اور چند روزہ زندگانیِ دنیا آباد کر سکے۔ کیونکہ آخرت سے کٹ کر آباد شدہ دنیا، قرآنی منطق میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ ستاروں پر کمند ڈال لینا، قرآن کی نظر میں انسانی سعادت کے مساوی نہیں ہے۔

کیونکہ یہ عین ممکن ہے کہ انسان زمین کے دل میں اتر جانے اور کہکشاؤں کے راز کشف کر لینے کے بعد بھی شقاوت اور بد بختی کے عین دہانے پر کھڑا ہو۔ اور اس کے برعکس، زمین پر بوریا بچھائے، اور ستاروں اور سیاروں کے رازوں سے بے خبر رہتے ہوئے بھی انسانی سعادت کی اعلی منزلوں پر فائز ہو۔ پس قرآن کریم انسان کو تکوین کا آئینہ دکھا کر تشریع کے دروازہ پر لاتا ہے لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ جہاں قرآن نے تکوین کی بحث چھیڑی ہے، وہاں قرآن کی رہنمائی نادرست ہو۔ اور جب ایسا ہے تو پھر کیا ہرج ہے کہ بعض دانشور، قرآنی آیات سے عالم طبیعت کے بعض رموز کشف کرنے کی تگ و دَو کر لیں؟ البتہ اس توجہ کے ساتھ کہ عالم طبیعت میں یہ انہماک انہیں قرآن کی اصل ہدایت سے دور نہ کر دے۔

ہمارے خیال میں اس حوالے سے استاد عباس علی عمید زنجانی کا یہ بیان کافی وزنی ہے کہ:

به نظر می رسد امکان یا عدم امکان تفسیر علمی قرآن یك مساله کلامی نیست که بر اساس یك مبنای عقلی در دین پژوهی بتوان یکی از آن دو را اثبات و دیگری را نفی نمود۔

بی گمان قرآن باوجود کتاب هدایت بودن ممکن است از بُعد عقلانی هدایت به براهین عقلی و دلایل متکی به اصول علمی استناد نماید و یا از باب اعجاز به اصول علمی کی هنوز بشر به آن دست نیافته است، استناد کند و ناشناخته های علمی را به بشر تعلیم نماید۔ (۱۸)

یعنی: "ایسا لگتا ہے کہ یہ سوال کہ آیا قرآن کریم کی سائنسی تفسیر ممکن ہے یا نا ممکن یہ کوئی ایسا کلامی مسئلہ نہیں ہے کہ دینی تحقیق کے باب میں عقلی بنیادوں پر ایک (شق) کو ثابت اور دوسری کو ردّ کیا جس سکے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ قرآن کتاب ہدایت ہے لیکن یہاں یہ بھی ممکن ہے کہ ہدایت کے عقلانی پہلو کے پسِ منظر میں قرآن، فلسفی براہین اور سائنسی اصولوں کا سہارا لے یا اپنے معجزہ ہونے کے ناطے ایسے سائنسی اصولوں کو اپنے مدعی کی دلیل بنائے جن تک بنی نوع بشر کو ابھی تک رسائی نہ ہوئی ہو اور یہ عین ممکن ہے کہ قرآن انسانیت کو سائنسی دنیا کے انجانے رازوں سے آشنا کر دے۔"

مطالعۂ قرآن کا دوسرا اساسی اصول (معصوم معلّم قرآن کی ضرورت)

مطالعۂ قرآن کا دوسرا بنیادی اصول یہ ہے کہ اِس کتاب کے مضامین کے فہم میں کوئی قاری پیغمبر اکرم ﷺ کی تعلیمات سے بے نیاز نہیں ہے۔ اس حوالے سے استاد آیۃ اللہ جوادی آملی حفظ اللہ لکھتے ہیں:

(این کتاب) قبل از آنکه به قلب مبارك انسان كامل نزول كند و از آن جايگاه پاك به ديگران منتقل شود، ادراك معارف آن، بلاواسطه ميسور انسانهای عادی نيست؛ چون هرقلبی ظرفيت خاص به خود دارد و هرگزنمی تواند قرآن را كه به تعبير الهی قول سنگين و وزين است: ﴿إِنَّا سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا﴾ (۱۹) تحمل نمايد۔ (۲۰)

یعنی: "اس سے قبل کہ (قرآن) انسان کامل کے قلب پر نازل ہو اور اس پاک ظرف سے دیگر انسانوں تک منتقل ہو، اس کی تعلیمات کا بلا واسطہ فہم، عام انسانوں کے لیے ممکن نہیں ہے؛ کیونکہ ہر قلب میں ایک محدود ظرفیت پائی جاتی ہے اور یہ ظروف کسی طور قرآن

کریم کو جو کہ اللہ تعالی کے ارشاد کے مطابق ایک سنگین اور وزنی کلام ہے (بے شک ہم عنقریب تم پر ایک سنگین کلام نازل کریں گے) تحمل کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔"

مطالعۂ قرآن کا یہ اصول بھی ایک اساسی اصول ہے۔ لہٰذا قرآن کریم کی کسی بھی آیت سے کوئی مطلب اخذ کرنے سے پہلے یہ دیکھ لینا ضروری ہے کہ آیا اُس آیت کے ضمن میں معلّم قرآن، حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے کوئی حدیث نقل ہوئی ہے یا نہیں۔ ایسا اس لیے ضروری ہے کیونکہ اللہ تعالی نے آنحضرت ﷺ کو قرآن کریم کا معلم معین فرمایا ہے اور کسی قاری کو قرآن فہمی میں فقط اُس کے شخصی فہم پر نہیں چھوڑا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے:

۱. وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ (۲۱)

یعنی: "اور ہم نے آپ کی کی طرف ذکر (قرآن) نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کو وہ کھول کر بتائیں جو اُن کی طرف نازل کیا گیا ہے اور شاید کہ وہ غور و خوض سے کام لیں۔"

۲. رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (۲۲)

یعنی: "اے ہمارے پالنے والے! اُن میں اُنہی میں سے ایک رسول بھیج جو ان پر تیری آیات کی تلاوت کرے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور انہیں پاک کرے؛ بے شک تو عزیز و حکیم ہے۔"

۳. كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ (۲۳)

یعنی: "جس طرح ہم نے تم میں رسول بھیجا وہ تم پر ہماری آیات کی تلاوت کرتا ہے اور تمہیں پاک کرتا ہے اور تمہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمہیں اس چیز کی تعلیم دیتا ہے جس سے تم آگاہ نہ تھے۔"

اگر ہم مذکورہ بالا آیات اور مشابہ آیات میں غور کریں تو یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ نہ تنہا قرآن کریم، بلکہ تمام آسمانی کُتب کے فہم میں الہی معلم کی رہنمائی ضروری ہے اور آسمانی ہدایت کے حصول میں قاری کو تنہا اُس کے شخصی فہم کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑا گیا۔ پس مطالعۂ قرآن کا یہ اساسی اصول ہے کہ قرآن کو

سنّت صحیحہ اور معتبرہ کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کی جائے اور قاری، قرآن کریم کے فہم میں پیغمبر اکرم ﷺ کی سنّت کے مخالف سمت میں جانے سے بچنے کا مکمل بندوبست کرلے۔

کیونکہ سنت صحیحہ پیغمبر اکرم ﷺ سے رہنمائی لیے بغیر قرآن کریم کے فہم کا زعم خبط ہے اور قرآن فہمی میں خود کو معلمِ قرآن حضرت رسول ﷺ کے قول و فعل و تقریر سے بے نیاز اور تنہا اللہ کی کتاب کو کافی سمجھتا ہے قاری کو جادۂ حق و حقیقت سے کوسوں دور لے جاتا ہے۔

نیز ہر آیت کے ضمن میں یہ دیکھ لینا بھی ضروری ہے کہ آیا آنحضرت ﷺ کے معصوم جانشینوں سے اُس آیت کی تشریح میں کوئی روایت نقل ہوئی ہے یا نہیں۔ اگر معصومین علیہم السلام سے کوئی ایسی روایت نقل ہوئی ہو جو اُس آیت کی تشریح کر رہی ہو تو ایسی صورت میں بھی قاری کو ہر اُس فہم پر خطِ بطلان کھنچا ہوگا جو پیغمبر اکرم ﷺ کے معصوم جانشینوں کے فہمِ قرآن سے ٹکرا رہا ہو۔

اسی طرح ہمارے عقیدے میں قرآن کریم کی تعلیم، توضیح و تشریح اور تطبیق میں آئمہ معصومین علیہم السلام کا فہم بھی معتبر ہے۔ لہٰذا قرآن فہمی کے باب میں جو دعوی بھی آئمہ معصومین علیہم السلام کے فہم سے ٹکراتا ہو، باطل ہے۔

قرآن کریم کے فہم میں پیغمبر اکرم ﷺ اور آئمہ معصومین علیہم السلام کے فہم کے معتبر ہونے کی دلیل، درحقیقت ان ہستیوں کی عصمت ہے۔ جس طرح قرآن خدا کی "لاریب" کتاب ہے، اسی طرح قرآن کے معلم بھی معصوم ہیں۔ اس بات پر تمام مسلمانوں کا محکم عقیدہ ہے کہ قرآن کریم کی آیات میں کوئی ابلیس، کوئی نادرست آیت نہیں ڈال سکا۔ مسلمانوں کے ہاں (نعوذ باللہ) "شیطانی آیات" کا کوئی عقیدہ قابل قبول نہیں ہے۔ دوسرے الفاظ میں اللہ تعالی نے قرآن کی عصمت کا مکمل بندوبست فرمایا ہے۔ پس یہ نہیں ہو سکتا کہ قرآن کے معلم خطاکار ہوں۔ قرآن کے حوالے سے ارشاد فرماتا ہے:

۱. وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ (۴۲)

یعنی: " اور بے شک یہ ایک غالب کتاب ہے؛ باطل نہ اس کے سامنے سے آ سکتا ہے نہ اس کے پیچھے سے؛ یہ حکمت والے اور ستائش کے لائق (خدا) کی طرف سے نازل کردہ ہے۔"

۲. اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (۴۵)

یعنی: "بے شک ہم نے ہی اس ذکر کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔"

۳. تَنزِيلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعَالَمِينَ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ فَمَا مِنكُم مِّنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِينَ (۴۶)

یعنی: "یہ (کلام) عالمین کے پروردگار کی طرف سے نازل کردہ ہے؛ اور اگر اس (نبی) نے کوئی بات بھی گھڑ کر ہماری طرف منسوب کی ہوتی تو ہم اسے دائیں ہاتھ سے پکڑ لیتے؛ پھر اس کی شہ رگ کاٹ دیتے۔ پھر تم میں کوئی مجھے اس سے روکنے والا نہ ہو۔"

اگر اِن آیات کی روشنی میں قرآن کریم ہر قسم کی آلائش، لغزش، اور تحریف سے پاک ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اس کا معلم (نبی اکرم ﷺ) معصوم نہ ہو۔ قرآن کو شیطانی آیات اور تحریفات سے پاک قرار دینا، لیکن نبی اکرم ﷺ کی عصمت کا انکار، درحقیقت، اللہ تعالی کی حکمت کے انکار کے مساوی ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ خدائے حکیم و دانا نے ہدایت بشر کا متن "لاریب" بھیجا ہو لیکن اس کا معلم خطا کار ہو۔ لہٰذا ہر قاری کو قرآن فہمی میں قرآن کریم کے معصوم معلم آنحضرت ﷺ کے کلام اور فہم کو اپنے شخصی فہم پر ترجیح دینا چاہیے۔

لیکن چونکہ شیعہ نکتۂ نظر سے آئمہ طاہرین علیہم السلام بھی عصمت میں پیغمبر اکرم ﷺ کے ساتھ شریک ہیں، لہٰذا کسی قاری کو قرآنی آیات سے کوئی ایسا مطلب اخذ نہیں کرنا چاہیے جو معصومین علیہم السلام کے فہم سے تضاد میں ہو۔ ممکن ہے بعض اہل اسلام آئمہ طاہرین علیہم السلام کی عصمت کے قائل نہ ہوں لیکن ہمارے خیال میں انہیں بھی قرآن فہمی میں اِن ہستیوں کے کلام کو ضرور دیکھ لینا چاہیے۔ کیونکہ بالفرض یہ ہستیاں معصوم نہ بھی ہوں "الراسخون فی العلم" کا مصداق ضرور ہیں۔ اور خود قرآن کریم نے "الراسخون فی العلم" کو قرآن کریم کی تعلیم و تأویل سے آگاہ اور آشنا قرار دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِّنْ عِندِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُوا الْأَلْبَابِ (۴۷)

یعنی: "اور (قرآن کی) تاویل تو صرف اللہ اور علم میں راسخ مقام رکھنے والے ہی جانتے ہیں جو کہتے ہیں: ہم اس پر ایمان لائے ہیں؛ یہ سب کچھ ہمارے رب کی طرف سے ہے اور نصیحت تو صرف عقل مند ہی قبول کرتے ہیں۔"

ان آیات اور بیانات کی روشنی میں قرآن کریم کے مطالب کے فہم میں معصومین علیہم السلام کے کلام کو محور قرار دینا اور اُن کے کلام کی روشنی میں قرآن فہمی، مطالعۂ قرآن اور قرآن کی تفسیر کا اٹوٹ انگ قرار پانا چاہیے۔

ہاں! ہمارے خیال میں مأثور پر جمود بھی قابل قبول نہیں ہے۔ قرآنی مطالب و مفاہیم کے فہم میں بشری اجتہاد اور سعی و کوشش کو "تفسیر بہ رائے" قرار دینا، نادرست ہے۔ کیونکہ ان دونوں میں فرق ہے۔ قرآن کریم نے اپنی مفاہیم و مطالب میں بنی نوع بشر کو اجتہاد اور غور و خوض کی خود دعوت دی ہے اور جب قرآن (اصل) میں غور وخوض اور تدبّر ضروری ہے اور ظواہر قرآن پر جمود ناپسندیدہ ہے تو سنت (فرع) پر جمود کیونکر مطلوب ہو سکتا ہے؟

خلاصہ یہ کہ مطالعۂ قرآن میں مأثور سے جو رہنمائی حاصل ہو، فہم قرآن میں اُسے اولین ترجیح دی جائے اور کوئی ایسی رائے قائم نہ کی جائے جو معصومین علیہم السلام کے فہم سے تضاد میں ہو لیکن اگلے مرحلے میں قاری اپنے شخصی فہم وفراست کی روشنی میں قرآن سے مزید رہنمائی لینے کی سعی وتلاش کر سکتا ہے۔ بالخصوص اُن آیات کے ضمن میں جہاں معصومین علیہم السلام سے کوئی معتبر حدیث یا روایت نقل نہ ہوئی ہو یا کوئی مطلب نقل ہوا ہو لیکن تنہا اُسی مطلب میں قرآنی آیت کے مضمون کے انحصار پر کوئی قطعی دلیل موجود نہ ہو۔

حوالہ جات

۱. آملی، آیۃ اللہ جوادی؛ سرچشمۂ اندیشہ، ج ۱، ص ۱۳۔

۲. مائدہ/۳۱۔

۳. دیکھیے: السید مصطفیٰ الخمینی؛ تفسیر القرآن الکریم؛ ج ۴، ص ۵۱۹، ۵۲۰۔

۴. السیوطی، جلال الدین، الاتقان فی علوم القرآن؛ دار الفکر، بیروت، ۲۰۰۸، ص ۴۷۷۔

۵. البقرہ/۱۔۲

۶. البقرۃ/ ۹۷۔

۷. البقرہ / ۱۸۵۔

۸. آل عمران ۳، ۴۔

۹. طباطبائی، محمد حسین؛ المیزان فی تفسیر القرآن؛ ج ۱، ص ۳۔

۱۰. راجع الجواھر فی تفسیر القرآن الکریم، الطنطاوی ۳ / ۱۷۳تا۱۷۹۔

۱۱. السید مصطفیٰ الخمینی؛ تفسیر القرآن الکریم؛ ج ۴، ص ۵۱۹، ۵۲۰۔

۱۲. یوسف / ۱۱۱۔

۱۳. النحل/۸۹۔

۱۴. النمل/۷۵

۱۵. انعام/۵۹۔

۱۶. انعام/۳۸۔

۱۷. السیوطی، الاتقان، ص ۴۸۰۔ سیوطی کی عین عبارت یہ ہے: و انا اقول قد اشتمل کتاب اللہ العزیز علی کلّ شیء۔ اما انواع العلوم فلیس منھا باب و لا مسألۃ ھی اصل الا و فی القرآن ما یدل علیھا

۱۸. زنجانی، عباسعلی عمید، مبانی وروش های تفسیر قرآن، سازمان چاپ وانتشارات وزارت فرہنگ وارشاد اسلامی، تہران، ص ۲۵۔

۱۹. المزمل/۵۔

۲۰. آملی، آیۃ اللہ جوادی؛ سرچشمۂ اندیشہ، ج ۱، ص ۱۶۔

۲۱. النحل/۴۴

۲۲. البقرہ/۱۲۹۔

۲۳. البقرہ/۱۵۱۔

۲۴. سجدہ/۴۱، ۴۲۔

۲۵. الحجر/۹۔

۲۶. الحاقہ/۴۴۔

۲۷. آل عمران/۷۔

عصرِ حاضر میں مطالعۂ سیرت کی ضرورت و افادیت

پروفیسر ڈاکٹر محمد طفیل *

کلیدی کلمات: خاتم النبین، رحمتہ للعالمین، سیرت طیبہ، اُسوۂ حسنہ، احیاء سنت، ناموس رسالت۔

خلاصہ:

اللہ تعالی نے انسان کی ہدایت کے لئے جو رسول مبعوث فرمائے وہ سب اللہ کی توحید اور انسانی بھلائی کی تعلیم دیتے رہے ہیں۔ سابق انبیاء کی رسالت محدود تھی، جبکہ قرآن کے مطابق ہمارے نبی اکرم ﷺ خاتم النبین اور سید المرسلین ہیں۔ آپؐ کا پیغام ایک شفا بخش اور آفاقی پیغام ہے۔ قرآن کے مطابق آپ کا اُسوۂ حسنہ سب کے لئے بہترین نمونہ ہے۔ آپؐ کے اُسوۂ حسنہ سے استفادہ کرنے کے لئے مسلمانوں نے بلا مبالغہ بے پناہ مواد فراہم کیا۔ جس کی وجہ سے آپؐ کو تمام مصلحین میں ہمیشہ اعلیٰ وارفع مقام حاصل رہا ہے۔ اسلامی علوم وفنون پر لکھی جانے والی تمام کتب سیرت طیبہ کے حوالے کے بغیر نامکمل شمار ہوتی ہیں۔ تاہم اب بھی سیرتِ طیبہ کے بہت سے پہلو تشنہ اور نامکمل معلوم ہوتے ہیں۔ بطور نمونہ چند موضوعات یہ ہیں: آپ کی سیرت کا انسانیت کے لئے پیغام ہدایت ہونا، خطبہ حجۃ الوداع، انسانی حقوق بشمول حقوقِ نسواں کا اولین منشور، فکر رسول میں نوجوانوں کے لئے رہنمائی، زندگی کے مختلف شعبوں اور پیشوں کے لئے سیرت طیبہ کے عطا کردہ بنیادی اصول وضوابط، سیرت طیبہ کی روشنی میں اکیسویں صدی کے جدید مسائل کا حل اور سائنسی ایجادات کے حوالے سے سیرت طیبہ کا پیغام۔ ان موضوعات پر کام کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ عظمت اسلام اور مسلمانوں کی کھوئی ہوئی ساکھ کو بحال کرنے کیلئے بھی سیرت طیبہ کا مطالعہ وقت کی اہم ضرورت ہے۔

* ۔ ڈائریکٹر انٹرنیشنل سیرت سنٹر، ایوان قائد اسلام آباد۔

اللہ تعالی نے انسان کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے بہت سے پیغمبر اور رسول مبعوث فرمائے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ تک تمام نبی اور رسول اللہ تعالیٰ کی توحید، انسان کی بھلائی اور خیر کی تعلیم دیتے رہے۔انسانوں کو باہم ملاتے رہے اور انہیں ایک دوسرے کا خیر خواہ بناتے رہے۔ نیز وہ انسانی معاشروں سے شرکاء کا قطع قمع کرتے رہے، تاکہ متوازن انسانی معاشرہ قاہم ہو۔ سابق انبیاء علیہم السلام محدود وقت، محدود افراد اور محدود خطوں میں مبعوث ہو کر اللہ تعالیٰ کا پیغام انسانوں تک پہنچاتے رہے۔ جبکہ ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ خاتم النبین اور سید المرسلین ہیں۔ اس لئے آپ کی بعثت تمام انسانوں، تمام زمانوں اور پوری کائنات کے لئے ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ (۱)

ترجمہ۔"اور ہم نے آپ کو تمام انسانوں کی طرف خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا۔ جبکہ اکثر انسان اس حقیقت سے آگاہ نہیں ہیں"

محسنِ انسانیت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تمام جہانوں کے لیے رحمت ہیں۔ آپ کی رحمت کائنات کی تمام مخلوقات تک وسیع ہے، جبکہ انسان کو آپ کی وسیع رحمت سے وافر حصہ ملا ہے۔ کیونکہ جہاں انسانوں کو آپ کی روح پرور تعلیمات میسر ہیں، تو وہاں مسلمانوں کو آپ کی حیات مبارکہ کا عملی نمونہ (اسوۂ حسنہ) بھی حاصل ہے۔جس پر عمل پیرا ہو کر ہر مسلمان دنیوی سعادت اور اُخروی نجات حاصل کر سکتا ہے۔رسول اکرم ﷺ کی تعلیمات نہ صرف تمام انسانوں کے لیے شفا بخش پیغام ہیں، بلکہ ہر دور اور ہر مقام کے جن وانس آپ کی رحمت بھری تعلیمات سے استفادہ کرتے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ (۲)

ترجمہ: "اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا"

چنانچہ آپ کا پیغامِ رحمت اور آپ کا سایہ رحمت نہ صرف موجود اور معلوم دنیا پر قائم ہے، بلکہ آپ کا فیض رحمت ان خطوں اور علاقوں پر بھی ہمیشہ سایہ فگن رہے گا، جو انسان مستقبل میں تلاش کرے گا۔ مزید برآں آپ کی رحمت جن و انس تک محدود نہیں، بلکہ سب سیرت نگار اس حقیقت پر متفق ہیں رحمتہ

للعالمین کی رحمت اس کائنات کی تمام مخلوقات تک وسیع ہے۔ رحمت دوعالم ﷺ کا پیغام آفاقی ہے۔ آپ کی تعلیمات دائمی ہیں اور آپ کی عطا کردہ فکر نہ صرف ابدی، بلکہ وہ پوری کائنات کے لئے ہمہ وقت عملی نمونہ ہے۔ کیونکہ آپ نے انسانوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے جو تعلیمات عطافرمائیں، ان پر آپ نے خود عمل کرکے، نہ صرف اپنی تعلیمات کو قابل عمل ٹھہرایا، بلکہ آپ نے ان ابدی تعلیمات کے حوالے سے اپنی حیات مبارکہ کی صورت میں انسانوں کو مکمل عملی نمونہ بھی فراہم کیا۔ اسی لئے آپ کا "اسوۂ حسنہ" انسانوں کے لئے بہترین نمونہ ہے۔ جیساکہ اللہ تعالیٰ کاارشاد ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللهَ كَثِيرًا (۳)

ترجمہ: "یقیناً رسول اللہ ﷺ کی ذات میں آپ کے لئے ایک بہترین نمونہ ہے"

آپ کی تعلیمات کا تعلق ایک طرف اللہ تعالیٰ کی توحید کو عام کرنے سے ہے، تو دوسری جانب وہی تعلیمات انسانوں کے لیے روشنی کا مینار ہیں۔ فکر رسول ﷺ ایک ایسا بُقعۂ نُور ہے، جس کے نور کی شعائیں چار دانگ عالم میں پھیل رہی ہیں، جس سے ہر دور کے انسان مستفید ہوتے رہے ہیں اور آئندہ بھی بہر ور ہوتے رہیں گے۔ ہمیں مکمل یقین ہے، کہ اس کائنات میں آنے والا آخری انسان بھی نبی رحمت ﷺ کی تعلیمات سے اسی طرح انسان صدیوں مستفید ہوتا رہاہے۔

فکر رسول ﷺ انسانی بھلائی کے تمام عناصر اور پہلوؤں جیسے عبادات، معاملات، اخلاق وآداب، انسانی تعلقات، انسانی ضروریات اور انسانی مسائل کا کما حقہ احاطہ کرتی ہے۔ چنانچہ عدلیہ، انتظامیہ، مقنّنہ، ماہرین معیشت، سیاستدان، معلّمین اخلاق اور سماجی کارکن۔ الغرض ہر فکر اور ہر طبقہ کے افراد آپ کی صائب فکر سے ہمہ وقت رہنمائی حاصل کرسکتے ہیں اور بلاشبہ رہنمائی حاصل کرتے رہیں گے۔ مسلمانوں کے لئے رسول رحمت کی پوری حیات مبارکہ ایک عملی نمونہ ہے۔ قرآن مجید نے مسلمانوں کو جو احکام دیئے، محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ ان سب کا عملی نمونہ ہے، جو زمان ومکان کی قیود سے بلاتر ہو کر انسانوں کے لئے عموماً اور مسلمانوں کے لئے خصوصاً ہدایت اور رہنمائی کا سامان فراہم کرتا رہے گا۔

جس طرح عہد رسالت اور اسلام کے تشکیلی دور سے لے کر آج تک انسان سیرت طیبہ حیات مبارکہ، معمولات مقدسہ اور اُسوۂ حسنہ سے رہنمائی حاصل کرتے رہے ہیں۔ اسی طرح تمام مسلمان بھی اس چشمۂ صافی کے پیغام سے تاقیامت فیض پاتے رہیں گے! نبی کریم ﷺ کی حیات مبارکہ، سیرت طیبہ معمولات مبارکہ، سنت مطہرہ اور اُسوۂ حسنہ سے استفادہ کرنے کے لئے مسلمانوں نے اس موضوع کے

پہلوؤں اور اجزا کی لازوال خدمت کی اور سیرت طیبہ کے ہر ہر موضوع پر بلا مبالغہ بے پناہ مواد انسانوں کو فراہم کیا۔

یہی وجہ ہے ہادیان ادیان، رہنمائے عالم، سیاسی قائدین، سماجی ماہرین اور معاشی مصلحین میں ہمیشہ سے آپ کو اعلیٰ وارفع مقام حاصل رہا ہے۔ کیونکہ آپ کی حیات مبارکہ اور فکر طیبہ کا ایک ایک گوشہ مسلمانوں نے محفوظ کیا اور اسے اپنی زندگیوں میں عملاً لاگو کیا۔ اسی عمل کو "احیائے سنت" کہا جاتا ہے۔ جس پر عمل پیرا ہونے کا بڑا اجر و ثواب ہے۔ گویا جس نے نبی کریم ﷺ کی ایک سنت کو زندہ کیا، اس نے سو شہیدوں کا اجر و ثواب پایا۔ یہی وجہ ہے، کہ تمام مسلمان "احیائے سنت" کے لئے ہمہ وقت اور ہمہ تن کوشاں رہتے ہیں۔ یہ عمل عہدِ رسالت سے جاری ہو کر تا اختتام دنیا جاری اور ساری رہے گا۔

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اپنے ہادی و مرشد ﷺ کی مداح سرائی کرتے تھے، آپ کا انتہائی ادب واحترام بجالاتے تھے، آپ پر اپنا سب کچھ نچھاور کرتے تھے۔ تاہم سب سے بڑھ کر وہ سب آپ کی فکر اور آپ کی تعلیمات کو عملی جامہ پہناتے اور اپنی زندگیوں میں ڈھالتے تھے۔ نیز وہ سب آپ کے اقوال اور ارشادات کو اپنے لئے حرزِ جاں بناتے تھے۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے فکر رسول ﷺ کو اپنے اقوال اور اپنے اعمال کے ذریعے سے اگلی انسانی نسلوں کو پوری دیانت اور پوری ذمہ داری سے بلا کم و کاست اور باتاخیر من و عن منتقل کیا۔

اسلامی ریاست کی وسعت، مسلمانوں کی تعداد میں کثرت اور فکر رسول رحمت کی حاجت اور ضرورت نے مسلمانوں کو "سیرت طیبہ" کی ضرورت کا مزید احساس دلایا۔ جس کی مسلمانوں نے ہر دور میں تحریری، تقریری اور عملی انداز میں حفاظت کی۔ چنانچہ فکر رسول کے معتمد ترین مصدر حدیث نبوی کو محفوظ بنایا۔ حیات رسول، مغازی رسول، سیرت رسول اور اُسوہ رسول ﷺ کو مِن و عن محفوظ کیا اور اسے ایک مکمل نظام حیات کی شکل میں پروان چڑھایا۔ سیرت طیبہ کا نور اس قدر وافر اور عام ہے کہ ہر شعبۂ زندگی اور ہر طبقۂ خیال کے افراد نے نہ صرف اس سے استفادہ کیا، بلکہ ہر میدان کے ماہرین نے بھی سیرت طیبہ، سنت نبوی اور حدیث نبوی کو اپنی فکر اور نگارشات کا بنیادی حصہ اور مصدر و منبع بنایا۔

چنانچہ تمام اسلامی علوم وفنون میں سیرت طیبہ کا فیضانِ عام ثابت ہے۔ قرآن مجید کی تفسیر، احادیث نبویہ کا ذخیرہ، فقہ اسلامی کی ثروت، تاریخ اسلام کے اوراق، کتب عقائد، کتب اخلاق وآداب، کتب تبلیغ دعوت، کتب ادب نیز ہر علم وفن میں ہمیں سیرت طیبہ مبارکہ اور احادیث نبویہ کا وافر حصہ ملتا ہے۔ اور

تمام اسلامی علوم وفنون پر لکھی جانے والی کتب ، مقالات اور تحریریں سیرت طیبہ اور حرمتِ نبوی کے حوالے کے بغیر نامکمل شمار ہوتی ہیں۔

انسانوں کو درپیش زندگی کے تمام مسائل اور ان کے تمام پہلوؤں پر مسلم اور غیر مسلم مصنفین نے سیرت طیبہ کے موضوع پر بے شمار نگارشات فراہم کی ہیں۔ بین الاقوامی ، قومی ، علاقائی اور دنیا کی تمام زندہ زبانوں میں سیرت طیبہ پر وافر مقدار میں مواد ملتا ہے، جبکہ سیرت طیبہ کے میسر مواد کے گہرے مطالعہ سے یہ امر عیاں ہوتا ہے، کہ فاضل مصنفین نے حیات رسول اور عشق رسول جیسے دینی اور روحانی موضوعات پر بہت زیادہ توجہ دی ہے اور مسلمانوں کو محبت رسول کا گہرا درس دیا ہے۔ جبکہ فکر رسول اور تعلیمات رسول ﷺ کو کم کم اپنی تحریروں کا موضوع بنایا ہے۔ جن کے عام کرنے کی ہر وقت ضرورت ہے۔

کیونکہ ختم نبوت کا ایک منشا یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اپنی ہدایت کا سامان فراہم کر دیا۔ اب یہ انسانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ یہ پیغام الٰہی انسانوں کو نسل در نسل منتقل کریں۔ نیز جدید مسائل کے حل کے لئے تعلیماتِ نبوی ﷺ کو لاگو کریں۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ فاضل سیرت نگاروں نے حیات رسول کے ہر ہر پہلو کو اپنی تصانیف میں محفوظ کیا۔ اپنی قیمتی کتب میں محبت رسول ، تحفظِ ناموسِ رسالت اور عشق رسول کا بے پناہ مظاہرہ کیا۔ اور اپنے لئے مغفرت وسعادت کا سامان فراہم کیا۔ تاہم سیرتِ طیبہ کے وسیع ادب کا بغور مطالعہ کرنے سے اس کے بہت سے پہلو تشنہ اور نامکمل معلوم ہوتے ہیں۔ جن کی جدید دور کے انسان کو اشد ضرورت ہے۔ جن میں سے بطور نمونہ چند موضوع یہ ہیں:۔

۱. سیرت طیبہ کا انسانیت کے لئے پیغام ہدایت۔
۲. خطبہ حجۃ الوداع۔ انسانی حقوق بشمول حقوقِ نسواں کا اولین منشور۔
۳. فکر رسول میں نوجوانوں کے لئے رہنمائی۔
۴. زندگی کے مختلف شعبوں اور پیشوں جیسے تاجروں ، صحافیوں ، سیاستدانوں اور غیر حکومتی اداروں کے لئے سیرت طیبہ کے عطا کردہ بنیاد اصول وضوابط۔
۵. اکیسویں صدی کے جدید مسائل کا حل سیرت طیبہ کی روشنی میں۔
۶. سائنسی ایجادات کے حوالے سے سیرت طیبہ کا پیغام، وغیرہ وغیرہ۔

اکیسویں صدی کی انسانی ضرورتیں اور انسانی تقاضے بالکل مختلف ہیں۔ آج کا انسان کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ علم ودانش حاصل کرنے کا متمنی ہے۔ اس لئے ایسے سیرت نگاروں کی اشد ضرورت ہے، جو نہ صرف سیرت طیبہ کے پیغام کو صحیح طور پر کماحقہ سمجھ سکیں، بلکہ وہ فکر رسول کو جدید تقاضوں کے مطابق انسانوں کے سامنے پیش بھی کر سکیں۔ اسی طرح وہ فکر سیرت اور پیغام سیرت کو جدید مسائل کے حل کے لئے انسانوں کو فراہم بھی کر سکیں۔

ہر دور کے اپنے مسائل، مشکلات اور دقتیں ہوتی ہیں۔ اکیسویں صدی میں اسلام کی صداقت، رسالت کی حقیقت، دین کی افادیت، احترام آدمیت اور ذہنی طمانیت اہم مسائل ہیں۔ جن کے ہر ہر پہلو پر سیرتِ طیبہ سے ہدایت ملتی ہے۔ اکیسویں صدی کے مسائل گوناگوں ہیں۔ انسان دہشت گردی، انتہا پسندی، فرقہ واریت، مادہ پرستی، نفسیاتی الجھنوں اور دینی انتہا پسندی کا شکار ہے۔ انسانی رشتے کمزور اور خاندانی نظام ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے۔ عالمی نظام سیاست ومعیشت ناکام دکھائی دیتا ہے۔ اس کائنات میں سماجی انصاف اور معاشرتی امن مفقود ہے۔ انسانیت اپنے دکھوں، پریشانیوں اور بے چینیوں کا حل ڈھونڈھ رہی ہے۔ انسانی اخلاق وآداب کا دیوالیہ نکل چکا ہے۔ اور اس وقت ایسا کوئی ذریعہ ہدایت میسر نہیں، جو انسانوں کے یہ مسائل حل کر سکے۔

سیرت طیبہ ایک ایسا اکسیر نسخہ ہے، جس کی تعلیمات نہ صرف محفوظ اور ابدی ہیں، بلکہ وہ ہر دور اور ہر جگہ پر قابلِ عمل بھی ہیں۔ بلکہ اکیسویں صدی کے انسان کے لئے امن وسکون عطا کرنے کا وہ واحد اور بہترین ذریعہ ہیں۔ مسلمانوں میں دینی اخوت اور باہمی شیرازہ بندی کا فقدان ہے۔ وہ عالمی تناظر میں فقر وفاقہ، ناخواندگی، پس ماندگی، اخلاقی بے راہ روی اور تفرقے کا شکار ہیں، انہیں سیرت طیبہ کے شافی پیغام کے ذریعے ہی راہ راست پر لایا جاسکتا اور ایک مضبوط مسلم امت بنایا جاسکتا ہے۔ آج کا انسان ذہنی سکون کا متلاشی ہے۔ وہ نفسیاتی مسائل میں الجھا ہوا ہے۔ وہ بڑے چھوٹے کی تمیز سے عاری ہے۔ وہ نہ بڑوں کا ادب کرتا ہے، اور نہ چھوٹوں سے پیار۔

آج کا نوجوان اخلاقی قدروں سے دور ہے۔ ان سب کو احترام آدمیت کا سبق پھر سے یاد کرانے، حقوق وفرائض میں اعتدال پیدا کرنے اور ان میں اچھے مسلمان اور اعلیٰ کردار انسان کے اوصاف اجاگر کرنے کے لئے انہیں سیرت طیبہ کے چشمۂ صافی سے سیراب کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ آج کی دنیا عالم گیریت (Globaization) عالمی قریہ (Global Village) انسانی قدروں (Human Values) عالمی

ادارہ تجارت(WTO) بین الانسانی مکالمہ(Inter Human Dilaogue) اور سول سوسائٹی (Civil Society) جیسے عالمی اداروں کو پروان چڑھا رہی ہے۔ جس میں مقامی، علاقائی اور وقتی قوانین، قدروں اور رواجوں کی قطعی گنجائش باقی نہیں رہی۔ ان اداروں اور انکے مقرر کردہ قواعد و ضوابط کو سیرت طیبہ کے عالمی پیغام (Global Message) کے ذریعے ہی پرکھا اور انسانوں کے لئے مفید، قابلِ عمل اور کارآمد بنایا جاسکتا ہے۔اس لئے انسان کو نہ صرف مطالعہ سیرت درکار ہے، بلکہ تعلیماتِ سیرت کی ایسی تعبیر و تشریح کی بھی ضرورت ہے، جو آج کے انسانی ذہن کو اپیل کرے اور اس کے پیچیدہ مسائل حل کرے۔

ان تمام ضرورتوں کے ساتھ ساتھ سیرت طیبہ سے مضبوط ترین تعلق استوار کرنے کی اس لئے بھی ضرورت ہے کہ اللہ تعالیٰ رب العالمین ہے، محمد رسول اللہ ﷺ رحمۃ للعالمین ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ آخری کتاب قرآن مجید ہدایۃ للعالمین ہے۔ ان تینوں ذرائع ہدایت کو باہم مربوط کرنے، ان کی تعلیمات پر عمل کرنے اور ان کے پیغام کو جدید دور میں متعارف کرانے کے لئے از بس ضروری ہے کہ سب انسان عموماً اور مسلمان خصوصاً سیرت طیبہ کا مطالعہ کریں۔ فکر رسول کو صحیح طور پر سمجھیں اور اسوۂ رسول پر عمل کریں۔ عالمی مذاہب وادیان کے حوالے سے اسلام کی فوقیت اور حقانیت ثابت کرنے کے لئے بھی مطالعہ سیرت انتہائی ضروری ہے۔ کیونکہ مطالعہ سیرت کی اہمیت اور ضرورت بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

هُوَالَّذِی أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَكَفَى بِاللهِ شَهِيدًا

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا۔ تاکہ وہ حق (اسلام) تمام ادیان پر غالب آجائے اور اس امر کے لئے اللہ تعالیٰ کی گواہی کافی ہے"۔ (۴)

عظمت اسلام اور مسلمانوں کی کھوئی ہوئی ساکھ کو بحال کرنے کیلئے بھی سیرت طیبہ کا مطالعہ وقت کی اہم ضرورت ہے۔ کیونکہ اسوۂ حسنہ پر عمل کرکے ہی مسلمانوں کی عظمت رفتہ کو بحال کیا جاسکتا ہے اور انہیں اقوام عالم میں اُن کا حقیقی مقام دلایا جاسکتا ہے۔ کیونکہ تعلیماتِ رسول ﷺ پر ہر مسلمان جب بھی عمل کرتے ہیں، وہ نہ صرف اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے بن جاتے ہیں، بلکہ وہ دنیوی سطوت اور اقتدار بھی پا لیتے ہیں اور وہ ہر طرح کی قیادت وسیادت سے بہرہ ور ہو سکتے ہیں۔

آج ناموس رسالت پر طرح طرح کے حملے کئے جارہے ہیں۔ کہیں خاکے بنائے جاتے ہیں، کہیں عظمت رسول پر رقیق حملے ہوتے ہیں، کہیں میرے آقا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی شان و عظمت پر بے جا تنقید کی جاتی ہے اور کہیں آپ کی روحانی تعلیمات اور آپ کی صائب فکر کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس امر کی ضرورت ہے، کہ ہم عالمی سطح پر عظمتِ رسالت اور ختمِ نبوت کا عَلَم بلند کریں۔ رسول رحمت ﷺ کی حقیقی فکر سے انسانوں کو روشناس کرائیں اور انہیں پوری انسانیت کا ھادی ورہنما ثابت کریں۔ نیز ان کی تعلیمات کا وہ ابدی اور روشن پہلو اجاگر کریں جن کی انسانیت کو آج بھی ضرورت ہے اور وہ کل بھی اُن تعلیمات کی متلاشی رہے گی۔

عصر حاضر میں مسلمانوں کے تعلیمی ادارے سیکولر نظام تعلیم کے تابع ہیں، ان میں بچوں کو معاشرے کے مروّجہ طور طریقے تو پڑھائے اور سکھائے جاتے ہیں۔ جبکہ مسلمان بچوں کو نہ اسلامی اخلاق وآداب سکھائے جاتے ہیں، نہ انہیں اسلامی تعلیمات سے روشناس کرایا جاتا ہے نیز ان کی کردار سازی کا بھی خاطر خواہ اہتمام نہیں کیا جاتا۔اسی لئے عصر حاضر میں اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ اکیسویں صدی کے مسلمان بچوں کو فکر سیرت اور تعلیمات رسول ﷺ سے پورا پورا روشناس کرایا جائے۔ اور جدید تعلیمی اداروں میں پیغام سیرت جدید اور عام فہم انداز میں پہنچایا جائے۔ مذکورہ حالات، کوائف، حقائق اور امور کی روشنی میں عصر حاضر کی یہ اہم ضرورت ہے، کہ سیرت طیبہ کا پیغام اس قدر عام کیا جائے کہ وہ حیات بخش پیغام تمام انسانوں کو ان کی اپنی اپنی زبان اور آسان پیرائے میں حاصل ہو۔ یہ پیغام ناموسِ رسالت ﷺ کا محافظ اور فکر رسول کا حقیقی ترجمان اور امین ہو، تاکہ اکیسویں صدی کا انسان ان سے رہنمائی حاصل کرسکے۔

حوالہ جات

۱۔ سورہ سبا، آیت ۲۸
۲۔ سورہ انبیاء، آیت ۱۰۷
۳۔ سورہ احزاب آیت ۲۱
۴۔ سورۃ الفتح، آیت ۲۸

"وحدۃ المسلمین" اور "اسلامی اخوت"

(پر امن اسلامی معاشرے کے قیام کا سنہری اصول)

محمد علی رمضانی *

کلیدی کلمات : وحدت، مسلمین، اخوت، پر امن معاشرہ، حبل اللہ۔

خلاصہ:

قرآن مجید مسلمانوں کو اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لینے اور تفرقہ میں نہ پڑنے کی تاکید کرتا ہے اور زمانہ جاہلیت کے اختلافات اور آپس کی عداوت اور دشمنی کی صورتحال کو آگ کے گڑھے کے دہانے کھڑے ہونے سے تشبیہ دیتا ہے۔ قرآن مصلح اعظم حضرت ختمی مرتبت ﷺ کے وسیلے سے عربوں کی باہمی وحدت اور اُلفت کو نعمت قرار دیتا ہے۔ بد قسمتی سے آج ایک بار پھر یہ ملت باہمی عداوت اور اختلاف کی آگ کے گڑھے کے دہانے کھڑی ہے۔ مسلمانوں کو کافر قرار دیا جارہا ہے اور اُمت میں تفرقہ پھیلا کر دین اسلام کی جڑیں کمزور کی جارہی ہیں۔ اپنے چند روزہ اقتدار کو بچانے کی خاطر اس تفرقے کو ہوا دینے میں اسلامی ممالک پر حاکم حکمران اور سیاسی شخصیات بھی کافی حد تک ملوث ہیں۔ لیکن تمام مسلمانوں کا فریضہ یہ ہے کہ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لینے اور تفرقہ میں نہ پڑنے کے عظیم الشان فریضہ پر عمل کرتے ہوئے تفرقہ پرستی سے بچیں اور اسلامی معاشرے کی بنیادوں کو مضبوط کرنے کے سنہری اصول یعنی وحدۃ المسلمین اور اُخوت اسلامی کے فروغ کی کوشش کریں۔ نہ تنہا مسلمانوں کی تکفیر جیسی قبیح حرکتوں سے باز آئیں بلکہ اسلام کے بتائے ہوئے انسانی حقوق کا احترام کرتے ہوئے اسلامی ممالک میں بسنے والی اقلیتوں کو بھی پُر امن زندگی گزارنے کا موقعہ دیں۔

---

* مذہبی اسکالر، مدرس۔

قرآن حکیم تمام مسلمانوں کو یہ دستور اور حکم دیتا ہے:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا

یعنی: "تم سب اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور آپس میں لڑائی جھگڑا نہ کرو، آپس میں پھوٹ نہ ڈالو"۔ (۱)

تفاسیر کی روشنی میں "حبل اللہ"، "اللہ کی رسی" سے مراد دین مبین اسلام اور قرآن ہے۔ مذکورہ بالا آیت کریمہ واضح طور پر مسلمانوں کو یہ دستور دے رہی ہے کہ قرآن واسلام کو تھام لو، اور اللہ تعالیٰ کا یہ واضح حکم بتلا رہی ہے کہ آپس میں لڑائی جھگڑا نہ کرو، آپس میں دست گریباں نہ ہو جاؤ اور تفرقہ میں نہ پڑو۔ اس آیت کریمہ کے تسلسل میں قرآن مجید انتہائی حکیمانہ انداز سے حقائق کی جانب مسلمانوں کو متوجہ کرتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہو رہا ہے:

وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِنْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ

یعنی: "اور اللہ کی نعمت کو یاد کرو کہ جب تم لوگ آپس میں دشمن تھے اس نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کر دی تو تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی بن گئے اور تم آتش کے کنارے پر تھے تو اس نے تمہیں (تباہی سے) نکال لیا (بچا لیا) اور اللہ اسی طرح اپنی آیتیں بیان کرتا ہے کہ تم ہدایت یافتہ ہو جاؤ"۔ (۲)

آیت کے اس حصے میں بڑی خوبصورتی کے ساتھ اسلام سے قبل، زمانہ جاہلیت کی منظر کشی کی گئی ہے اور تاریخ کے اوراق کا مطالعہ کرنے سے یہ پتا چلتا ہے کہ اس دور میں انسانی معاشرہ پستی کا شکار تھا۔ اس پست معاشرے کی ایک بُری خصلت یہ تھی کہ وہاں رہنے والے انسانوں میں ایک دوسرے کے لئے ہمدردی کے جذبات مردہ تھے اور ایک دوسرے کا باہمی احترام نہ تھا، لوگ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں اور معمولی اختلافات کی وجہ سے گروہوں اور قبائل میں جنگ چھڑ جاتی اور سالہا سال وہ جنگیں جاری رہتیں۔ وہ باہمی دشمنی اور اختلافات کی وجہ سے ایک دوسرے کو قتل کرتے تھے۔ انسانی معاشرے میں ناحق خون ریزی، دشمنی، نفرتیں اور ایک دوسرے کی توہین وتذلیل کا سلسلہ چلتا رہتا تھا۔ روئے زمین پر فتنہ و فساد تھا۔ انسانی معاشرہ قتل و غارت گری اور بے جا و ناحق دوسرے انسانوں کا مختلف

بہانوں سے خون بہانے کا گھناؤنا منظر پیش کر رہا تھا۔ معاشرے کے انسان قتل و غارت گری، فتنہ وفساد اور ناامنی سے تنگ آچکے تھے اور پریشان تھے۔

ایسے عالم میں عاقل انسانوں کی نگاہیں ایک مصلح کو ڈھونڈ رہی تھیں کہ کوئی آئے اور آکر فتنہ وفساد سے پُر ، پستی وانحطاط میں مبتلا اس معاشرے کو قتل و غارت گری اور نفرتوں کی آگ وآتش میں جھلسنے سے نجات دلائے ۔ پریشان اور مضطرب، کرب میں مبتلا دکھی انسانیت کوئی ایسا نسخہ کیمیا اور ایسا حَسین وخوبصورت ، مُحکم و مُستحکم اور حکیمانہ ومُدبّرانہ آئین اور قوانین کا مجموعہ چاہتی تھی جو اس بے سکون اور جنگ زدہ معاشرے کو دشمنی اور ناامنی کی بھڑکتی ہوئی آگ سے باہر نکال سکے ۔ دشمنی، کینہ وکدورت اور نفرتوں کی آگ کو بجھا کر امن وامان، دوستی واخوت، ہمدردی ورحم دلی اور محبتوں کا گلستان سجا کر انسانوں کو ایک دوسرے کا احترام کرنا سیکھائے۔ معاشرے میں رہنے والے انسان بھائی بھائی بن جائیں۔ نفرت محبت میں بدل جائے ،دوستی وہمدردی دشمنی وعداوت کی جگہ اور احترام توہین وتذلیل کی جگہ لے لے۔ ذرا غور فرمایئے کہ اس معاشرے میں کتنی الجھن اور گھٹن کی فضا تھی اور لوگ کسی طرح اس پست اورانسانیت سے دور معاشرے میں سنگین مسائل کو سلجھانے کے لئے تڑپ رہے تھے ۔ کوئی مصلح و منجی آکر ایک حکیمانہ آئین کے ذریعے معاشرے میں امن وامان قائم کرے۔ معاشرے کو ہلاکت اور تباہی سے نجات دلائے۔ جی ہاں مصلح اعظم آگئے ۔ منجی بشریت تشریف لائے ۔اسلام کا آفاقی پیغام ،خداوند متعال کا کامل اور جامع آئین اور مجموعۂ قوانین لوگوں کے سامنے پیش کیا۔ اس آئینِ کامل اور اسلام کے آفاقی پیغام نے معاشرے کو دشمنی، قتل و غارت گری اور ناامنی کی آگ سے بچالیا۔ لوگوں کو اس بھڑکتی آگ میں گر کر تباہ ہونے سے نجات دلائی۔

اب اسلام کی عظیم نعمت کی بدولت لوگ ایک دوسرے کے بھائی بھائی بن گئے ، اسلام نے مستحسن انسانی ہمدردی کے مردہ جذبات کو زندہ کردیا، مردہ قلوب کو حیات عطا کردی۔ ناحق خون ریزی، قتل وغارت گری اور فتنہ و فساد کی اسلام نے سختی سے مذمت کی اور ان چیزوں سے دور رہنے کی نصیحت اور معاشرے کو ان پست صفات سے پاک و پاکیزہ کرنے کی تاکید کی ۔لوگوں کے دلوں سے کدورتوں اور عداوتوں کو ختم کیا۔ ایک دوسرے سے محبت کا سلوک کرنے کی تاکید کی۔ ''اخوت اسلامی'' کے نورانی اصول کو رائج کیا۔

مذکورہ آیت مجیدہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ اسلام کے اس عظیم کارنامے اور اسلام کی عظیم نعمت کو یاد دلارہا ہے جس کی برکت سے انسانی معاشرہ آگ کے گڑھے میں گر کر تباہ ہونے سے بچ گیا۔ اسلام نے لوگوں کو ابدی ہلاکت سے بچانے کے لئے اپنا سنہرا اصول اور دستور پیش کیا۔ اس دستور کا نام ہے ''وحدۃ المسمین'' اور '' اخوت اسلامی'' ۔ جب تک مسلمان ان اصولوں پر عمل پیرا رہیں گے، جب تک ''اخوت اسلامی'' کا اہم اور بنیادی اصول اسلامی معاشرے میں زندہ رہے گا اس وقت تک بھائی چارے اور باہمی احترام کی فضا قائم رہے گی اور معاشرے میں ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی اور محبت کے جذبات زندہ رہیں گے۔

اس کے برعکس اگر مسلمانوں نے اسلام کے اس سنہرے اصول کو ترک کردیا اور خدا نخواستہ ''اخوت اسلامی'' کے قیمتی دستور کی نافرمانی کی اور اسلامی بھائی چارے کی فضا کو ختم کردیا تو پھر اسلامی معاشرہ زمانہ جاہلیت کے انہی وحشی صفات اور خصلتوں کی جانب پلٹ جائے گا۔ اختلافات کی وجہ سے ناحق خون ریزی اور قتل و غارت گری کا بازار پھر گرم ہو جائے گا۔ اسلامی معاشرے میں یوں تو پھر سے امن و امان تباہ ہو جائے گا، چین و سکون سب برباد ہو جائے گا۔ فتنہ و فساد سے پھر زمین بھر جائے گی۔

ایسے نام نہاد مسلمان جو دوسرے مسلمانوں کو کافر کہہ کر لوگوں کو قتل و غارت گری کے لئے بہکائیں اور بھڑکائیں گے تو معاشرہ پھر ناپسندیدہ صفات سے متّصف ہوجائے گا اور معاشرے میں ناامنی چھاجائے گی، ظلم و جور ہوگا، ناحق خون ریزی اور قتل و غارت گری ہوگی اور اسلام کی آفاقی تعلیم پامال ہو جائے گی۔ ایسا معاشرہ اسلام کی بدنامی کا سبب ہوگا۔ ختمی مرتبت ﷺ کی زحمتیں ضائع ہو جائیں گی۔ نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مسلمانوں کے درمیان ایک ایسا قلیل گروہ ہے جو اپنے علاوہ سارے مسلمانوں کو کافر سمجھتا ہے، اپنے زہریلے پروپیگنڈے کے ذریعہ دوسرے مسلمانوں کو کافر کہتا ہے۔ اسلامی معاشرے میں مسلمانوں کے درمیان افراتفری پیدا کرکے، اپنے دنیاوی مقاصد کے حصول کے لئے قتل و غارت گری اور خون ریزی کے قبیح اعمال کی جانب بلاتا اور دعوت دیتا ہے۔

ان قبیح و مذموم اعمال کے ذریعہ یہ لوگ اپنی دنیا کو سنوارنے اور اسلامی معاشرے میں تباہی پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مختلف مکاتب فکر کے علماء و مشائخ کے مطابق دہشت گردی اور قتل و غارت گری اسلام میں جائز نہیں اور ناپسندیدہ ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اگر اتنی کثرت سے علماء وطلابِ دینی، ایک معاشرے میں ہوں اور وہ دہشت گردی کی مسلمانوں اور دیگر مذاہب کے پر امن اور قوانین کی پابندی کرنے والے شہریوں کے قتل عام کی مذمت کرتے ہوں اور تاکید کرتے ہوں کہ اسے ترک کردیا جائے

تو پھر کیوں معاشرے سے یہ لعنت ختم نہیں ہوتی ؟ اس سلسلے میں منافقانہ کردار اسلام سے خیانت کے زمرے میں آتا ہے۔

خدا نخواستہ ایسا نہ ہو کہ اسلام اور عقلائے عالم کی نگاہ میں جو عمل مذموم ہے اس کی ہم ظاہری طور پر تو مذمت کرتے ہوں، لیکن پس پردہ اس مذموم اور قبیح عمل کی تائید اور حمایت کرتے ہوں ۔ اگر خدا نخواستہ ایسا ہے تو پھر یہ اسلام کے ساتھ خیانت اور منافقت ہوگی۔ کیونکہ تمام مسلمانوں کو اتحاد اور بھائی چارے کے ساتھ رہنے کا درس اسلام نے دیا ہے۔اسلام نے قتل و غارت گری کو ختم کیا۔ انسانوں کو اسلام کے عظیم اور مقدس آئین کے ذریعہ ، امن و امان کے ساتھ مسالمت آمیز زندگی گزارنے کی تعلیم دی۔

اب اگر اپنی تنگ نظری اور کوتاہ فکری کی وجہ سے ایک گروہ دوسرے مسلمانوں کو مختلف بہانوں یا غلط فہمیوں کی وجہ سے کافر کہے ، معاشرے میں اشتعال اور شدت پسندی کو ہوا دے اور مادی اور دنیاوی فائدے کے لئے مسلمانوں کو آپس میں لڑوا کر باہم دست و گریباں کر دے، معاشرے میں خون ریزی اور فساد برپا کرے تو ایسا کرکے اس نے کوئی اسلام اور مسلمین اور انسانیت کی خدمت نہیں کی ،بلکہ دشمنان دین کی جو اسلامی معاشرے کو تہہ و بالا کرنے اور مسلمانوں کو برباد کرنے کے منصوبے بناتے ہیں، خدمت کی ہے۔ اخوت اسلامی کے ختم ہونے اور آپس میں لڑائی جھگڑا کرنے سے اسلامی معاشرے اور مسلمانوں کا نقصان اور اس میں اسلام و مسلمین کے دشمنوں کا فائدہ ہے۔

مذکورہ اور اس سے پہلے والی آیات کریمہ کے شان نزول کے بارے میں تفاسیر میں آیا ہے کہ شاس بن قیس یہودی نے فتنہ برپا کرنے کی غرض سے اوس و خزرج کو ان کے پرانے جھگڑے یاد دلائے اور قریب تھا کہ وہ آپس میں پھر دست و گریباں ہو جائیں، لیکن آیت نازل ہوئی کہ رسول ﷺ کی موجودگی میں یہ جھگڑا کیسا؟ جھگڑے کا کیا جواز ہے۔ (۳) مسلمانوں کو مکمل تقویٰ کی دعوت دی گئی۔

يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوْا اللهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔

یعنی: ''ایمان والو اللہ سے اس طرح ڈرو جو ڈرنے کا حق ہے اور خبردار اس وقت تک نہ مرنا جب تک مسلمان نہ ہو جاؤ''۔ (۴)

اس آیت کے بعد اللہ تعالیٰ نے یاد دلایا کہ اسلام کی نعمت سے تمہارے جھگڑے اور اختلافات ختم ہوگئے اور تم بفضل خدا ایک دوسرے کے بھائی بن گئے۔ اب دوبارہ جھگڑا کرکے کہیں پھر آتشِ نفرت میں جھلس کر

خود کو تباہ نہ کرلینا۔ دین اسلام جیسی ریسمانِ ہدایت سے تمسک اور گزشتہ جاہلانہ اختلافات کے مقابلہ میں اسلامی اخوت وبرادری کا حوالہ دے کر اختلافات پھیلانے اور لڑائی جھگڑے کو بھڑکانے سے روکا گیا۔

آیت ۱۰۳ کے بعد والی آیت میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے تیار کیا گیا تاکہ فتنہ و فساد کی آگ دوبارہ نہ بھڑک جائے (۵) لہٰذا یہ ساری اُمت مسلمہ کا فریضہ ہے کہ ان لوگوں کو روکیں جو مسلمانوں کے درمیان اختلاف بڑھانے کی باتیں کرتے ہیں اور دوبارہ مسلمانوں کو لڑائی جھگڑے کی آگ میں جھونکنا چاہتے ہیں۔ اگر امت مسلمہ، مسلمانان عالم خصوصیت کے ساتھ تمام مکاتبِ فکر کے علماء واسکالرز سنجیدگی سے اس فریضہ کو انجام نہ دیں تو یہ فتنہ و فساد جس نے دوبارہ سر اٹھایا ہے، اسلامی معاشرے کی تباہی کا سبب بن جائے گا۔ اس سے دین مبین اسلام کی بدنامی ہوگی اور دشمنان اسلام کو اسلام کے خلاف پروپیگنڈا کا موقع ملے گا کہ وہ ان مسائل کو عالمی سطح پر اٹھا کر دین مبین اسلام کو بدنام کریں، جیسا کہ ہم دیکھ رہے ہیں۔

مستحکم اور پرامن اسلامی معاشرے کے قیام کے لیے "وحدۃ المسلمین" اور "اخوت اسلامی" اسلام اور قرآن کا سنہری دستور واصول ہے اور اس ایجنڈے پر عمل پیرا ہونے کی اسلام نے سختی سے تاکید کی ہے۔ سورۂ آل عمران کی اس آیت کریمہ (نمبر ۱۰۳) میں حسین اور خوبصورت انداز میں ماضی کی منظر کشی کرتے ہوئے یہ سمجھا دیا گیا ہے کہ تم لوگ آپس میں لڑائی جھگڑا اور جنگ و جدال میں گرفتار تھے اور یہ صورتِ حال کچھ ایسی ہے کہ اس طرح جنگ وجدال اور فساد جہاں ہو گویا وہاں پر لوگ آتش کے گڑھے اور جہنم کی آگ کے کنارے پر ہوتے ہیں اور ہلاکت ابدی کا شکار ہونے والے ہوتے ہیں۔

لہٰذا مسلمانوں کا آپس میں پھوٹ کا شکار ہونا اور ان کا لڑائی جھگڑا، قتل و غارت گری، یہ ایک شیطانی عمل اور طاغوتی ایجنڈا ہے۔ تب تو یہ کہا گیا ہے کہ تم لوگ آتش کے گڑھے کے کنارے پر تھے یعنی: ابدی ہلاکت سے دوچار ہونے والے تھے۔ یقیناً انسان اگر الٰہی ایجنڈے کو چھوڑ کر شیطانی اور طاغوتی ایجنڈے پر عمل کرے تو اس کام میں ابدی ہلاکت اور تباہی ہے۔

اسلامی معاشرے میں مسلمانوں کا آپس میں پھوٹ اور تفرقہ کا شکار ہوجانا اور ایک دوسرے کو قتل کرنا مذموم ہے اور یہ قطعاً رحمت نہیں ہے۔ اب یہ فیصلہ اسلامی معاشرے میں رہنے والے مسلمانوں کو خود کرنا ہوگا کہ وہ "اخوت اسلامی" کے الٰہی ایجنڈے پر عمل پیرا ہونا چاہتے ہیں یا پھر تفرقہ، پھوٹ اور ایک دوسرے کو قتل کرنے کے شیطانی ایجنڈے پر عمل کرنا چاہتے ہیں۔ اب یہ تو نہیں ہوسکتا کہ مسلمان ایک

طرف تواللہ سبحانہ پر ایمان لانے کا دعویٰ کریں جس کا مطلب یہ ہے کہ خداوند متعال کی اطاعت کے لئے آمادہ وتیار ہونے کا اعلان، جبکہ دوسری طرف شیطانی ایجنڈے پر عمل پیرا ہو کر اسلام کے قوانین کو پامال کر دیں۔ ایسا انداز، ایسا مزاج اور ایسا کردار انتہائی مذموم اور ناپسندیدہ ہے۔

عشق قاتل سے بھی مقتول سے ہمدردی بھی
یہ بتا کس سے محبت کی جزا مانگے گا (٦)

سجدہ خالق کو بھی ابلیس سے یارانہ بھی
حشر میں کس سے عقیدت کا صلہ مانگے گا (٧)

مسلمان وہ ہے جو کلمہ توحید پر ایمان رکھے اور کلمہ توحید (لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ) کا زبان سے بھی اقرار کرے اور اس کی گواہی دے۔ رسالت خاتم الانبیاء ﷺ پر ایمان رکھے اور آنحضرتؐ کی رسالت کی گواہی دے، قیامت اور معاد پر یقین رکھے اور اقرار کرے۔ اس بات پر ایمان رکھتا ہو کہ قیامت یقیناً آنے والی ہے اور انسان کو خداوند متعال کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اپنے اعمال کا حساب وکتاب دینا ہوگا۔

علماء اسلام کے نزدیک یہی تین ارکان اور بنیادیں یعنی: توحید خدا، رسالت محمد ﷺ اور قیامت اصول دین ہیں (٨) اور جو ان پر ایمان رکھے وہ مسلمان ہے۔ اس کے بعد دیگر عقائد اور فروعی مسائل میں نظریاتی اختلاف سے کوئی مسلمان کافر نہیں ہوجاتا اور مسلمانوں کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ ایک دوسرے پر کفر کی تہمت اور الزام لگا کر آپس میں لڑائی جھگڑا اور خون ریزی کریں، ایک دوسرے کا ناحق خون بہائیں اور جو بھی ایسا کرتا ہے وہ شیطانی اور طاغوتی ایجنڈے پر عمل پیرا ہے اور اسلامی معاشرے کی قوت و طاقت کو نقصان پہنچا رہا ہے۔ عالم اسلام کے امن وامان کو تباہ اور افراتفری وانتشار پیدا کر کے دینِ مبین اسلام کے دشمنوں کی خدمت کر رہا ہے اور سمجھتا نہیں ہے۔ اپنے دنیاوی مقاصد و مفادات نے اسے اندھا اور بے بصیرت بنا دیا ہے۔ خواہشات نفسانی کی پیروی نے اسے اسلام سے خیانت پر آمادہ کیا ہے۔ سورۂ مبارکہ بقرہ کی گیارہویں اور بارہویں آیتوں میں ارشاد ربّ العزت ہے:

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ. اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ۔

یعنی: جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ برپا کرو تو کہتے ہیں کہ ہم تو صرف اصلاح کرنے والے ہیں حالانکہ یہی لوگ مفسد ہیں لیکن اپنے فساد کو سمجھتے نہیں ہیں"۔(۹)

ان دونوں آیات سے پہلے والی دو آیتوں میں بھی مفسد فی الارض کی حقیقت کو یوں بیان کیا گیا ہے :

یُخٰدِعُوْنَ اللّٰہَ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَمَا یَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَھُمْ وَمَا یَشْعُرُوْنَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ فَزَادَھُمُ اللّٰہُ مَرَضًا وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ بِمَا کَانُوْا یَکْذِبُوْنَ۔

یعنی: " خدا اور صاحبان ایمان کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں حالانکہ اپنے ہی کو دھوکہ دے رہے ہیں اور سمجھتے بھی نہیں ہیں۔ ان کے دلوں میں بیماری ہے اور نفاق کی وجہ سے خدا نے اسے اور بھی بڑھا دیا ہے اب اس جھوٹ کے نتیجہ میں انہیں دردناک عذاب ملے گا۔" (۱۰)

تمام مسلمانان عالم کلمہ توحید "لاالٰہ الّا اللہ محمّد رسول اللہ" پر ایمان رکھتے ہیں۔ اس کی گواہی دیتے ہیں کہ کوئی معبود نہیں ہے سوائے اللہ کے اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول اور پیغمبر ہیں۔ قیامت و معاد پر یقین رکھتے ہیں۔ قرآن مجید پر ایمان رکھتے ہیں کہ یہ اللہ کی کتاب اور رسول اکرم ﷺ کا زندہ معجزہ ہے جو رہتی دنیا تک بشریت کی ہدایت و نصیحت کے لئے آیا ہے۔ انسان قرآن حکیم کے دستورات اور اوامر پر ہی عمل کرکے دنیا و آخرت کی سعادت حاصل کر سکتا ہے۔ اب ان مشترکہ مسلّم عقائد کے بعد تمام مسلمان امت واحدۃ ہیں جو خداوند متعال کو اپنا معبود سمجھتے ہیں اور خدائے وحدہ لاشریک کی عبادت کرتے ہیں۔ اس خدا تعالیٰ سے انسان کو ڈرنا چاہیے اور صرف اسی کی عبادت کرنا چاہیے۔

ضروری ہے کہ سارے مسلمان ایک دوسرے پر بے جا تہمت اور الزام لگانے سے گریز کریں اور اپنے نظریات، آراء اور عقائد کو منطقی دلائل کے ساتھ بیان کریں تاکہ حق روشن ہوسکے۔ زبردستی، زور و جبر سے اپنے نظریات کو دوسرے پر مسلط کرنا بغیر عقلی اور منطقی دلائل کے درست نہیں ہے۔ مشترکہ عقائد کے بعد ساری امت ایک امت ہے۔ خداوند متعال کا ارشاد ہے:

اِنَّ ھٰذِہٖٓ اُمَّتُکُمْ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً وَّاَنَا رَبُّکُمْ فَاعْبُدُوْنِ

یعنی: بے شک یہ امت (یہ دین) ایک ہی امت ہے اور میں تم سب کا پروردگار ہوں لہٰذا میری عبادت کیا کرو"۔(۱۱)

وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ

یعنی: ''اور تم سب کا دین ایک دین ہے اور میں ہی سب کا پروردگار ہوں لہٰذا بس مجھ سے ڈرو''۔ (۱۲)

ایک ہی سب کا نبیؐ دین بھی ایمان بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک (۱۳)

ملت اسلامیہ کیلئے یہ ایک لمحہ فکریہ ہے کہ وہ سوچیں اور اسلام و قرآن کے سنہرے اصول پر عمل کریں۔ اگر یوں ہی اسلامی ممالک میں دھماکے ہوتے رہے، دہشتگردی ہوتی رہی، خون ریزی اور فتنہ و فساد جاری رہا افسوس کے ساتھ جس کا ہم مشاہدہ کر رہے ہیں؛ اگر مختلف مذہبی گروہ، فتنہ پرور چھوٹے سے گمراہ ٹولے کو فتنہ پھیلانے سے باز نہ رکھ سکے اور خدانخواستہ مصلحت پسندی کا شکار ہوگئے؛ اگر سب نے مل کر قلیل و مختصر تکفیری ٹولے کو انتشار و فساد پھیلانے سے نہ روکا اور باہمی اختلاف سے دوچار ہوئے اور مسلّمہ مشترک عقائد کے باوجود بعض فروعی و نظریاتی اختلافات کی وجہ سے آپس میں تفرقہ ڈالا تو پھر تمام مذہبی گروہ نقصان اٹھائیں گے اور دشمن کا لقمہ بن جائیں گے۔ دین مبین اسلام اور مسلمین کے دشمن ،استکبار عالم، کبھی بھی کسی گروہ کے ساتھ مخلص نہیں۔ پس اتحاد بین المسلمین، وحدت اسلامی اور اخوت اسلامی کے حقیقی مظاہرے ہی سے تمام مذہبی گروہ خود کو دشمن کا شکار اور لقمہ بننے اور برباد ہوجانے سے بچاسکتے ہیں۔ ایک ملت ،ایک امت کے فارمولے کے ذریعہ دشمنان اسلام کی سازشوں کا مقابلہ ممکن ہے ورنہ سبھی مٹ جائینگے۔ نہ فردی تشخص باقی رہے گا نہ ہی گروہی تشخص ،دشمن سب کو مٹادے گا، حاوی آجائے گا اور مسلط ہوجائے گا۔

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں (۱۴)

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کیلئے
نیل کے ساحل سے لیکر تابہ خاک کاشغر (۱۵)

لیکن یہ سب اسی وقت ہوگا جب دھماکے کرنے اور اسلامی معاشرے میں مسلمانوں کا خون بہانے اور ایک دوسرے کو قتل کرنے جیسے سنگین اور گھناونے جرائم ،اسلامی معاشرے سے ختم کئے جائیں۔ مفسدین فی الارض اور جرائم پیشہ لوگوں کی حوصلہ افزائی نہ کی جائے۔ بلکہ سارے مسلمان، سارے مذہبی گروہ ملکر

اس قلیل سے ٹولے کے ساتھ سختی سے نمٹیں اور انہیں کیفر کردار تک پہنچائیں۔ ان کی حمایت کرنے کے بجائے حوصلہ شکنی کریں۔ انہیں نہی از منکر کریں اور اسلامی قوانین کے مطابق انہیں سزا دلوائیں۔ عدالت اور حکومت پر سب ملکر دباؤ ڈالیں اور ان کو اسلامی سزا دینے اور انہیں کیفر کردار تک پہنچانے پر اصرار اور تاکید کرکے اپنے فریضہ کو پورا کریں۔ صرف زبانی جمع خرچ اور صرف لفظی مذمت کرکے ذمہ داری پوری نہیں ہوتی۔ بلکہ سنجیدگی سے ان نازک حالات میں عملی طور پر فسادی ٹولے کو اسلامی معاشرے کا امن وامان تباہ کرنے سے روکنا ہوگا۔ ورنہ سب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اسلامی معاشرے کی تباہی کے ذمہ دار ہونگے۔

صحیح معنیٰ میں اتحاد بین المسلمین کی کوشش کرنا اور گمراہ تکفیری گروہ کو نہی از منکر کرنا سارے مکاتب فکر کے علماء اور اسکالرز اور مسلمانوں کی ذمہ داری ہے۔ مختلف مکاتب فکر کے بعض علماء ومفکرین کی اس سلسلے میں کوششیں قابل قدر ہیں، لیکن موجودہ حالات اور استکبار عالم کی سازشوں کو دیکھتے ہوئے اس سے کہیں زیادہ اور بہت ہی سنجیدگی سے اسلام کے سنہرے اصول کی طرف دعوت دینے کی ضرورت ہے تاکہ دشمنان اسلام کی سازشیں ناکام ہوسکیں۔

اسلام کے تمام مکاتب فکر کے نزدیک، فقہ اسلامی میں پانچوں فقہی مسالک کے نزدیک یہ متفق علیہ مسئلہ ہے کہ وہ لوگ جو اسلامی معاشرے میں اسلحہ اٹھاکر، دھماکہ خیز اور تباہ کن ہتھیاروں کے زریعہ معاشرے میں خوف وہراس پھلائیں معاشرے کے پرامن باشندوں کو ہراساں کریں اور خوف زدہ کریں، دھماکے کریں اور لوگوں کو قتل کرکے فتنہ وفساد پھیلائیں، وہ مفسدین فی الارض کے زمرے میں آتے ہیں۔ ایسے مفسدین کی اسلامی سزا یہ ہے کہ انہیں قتل کردیا جائے اور سولی پر لٹکا دیا جائے۔ اسلامی فقہ کے لحاظ سے ان کے لئے سزائے موت ہے۔ (۱۶)

لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ اگر ایسے لوگ پکڑے جائیں اور گرفتار ہوجائیں تو طاغوتی اور شیطانی طاقتوں اور اسلام کے دشمنوں کی طرف سے حکومت پر دباؤ ڈالا جاتا ہے کہ انہیں سزائے موت نہ دی جائے اور رہا کردیا جائے۔ حکومت اسلام، دشمن طاقتوں اور دنیا کے طاغوتی اور فرعونی حکمرانوں اور ان کے شیطانی نظام کے دباؤ میں آکر انہیں آزاد کردیتی ہے اور عملی طور پر ایسے دہشتگردوں کو سزا نہیں دیتی۔

ایسے لوگوں کی حمایت کی جاتی ہے تاکہ ملک میں خوف وہراس پھیلایا جائے، دہشتگردی کو فروغ حاصل ہو اور اسلامی معاشرہ تہہ وبالا ہوجائے، افراتفری کا شکار ہوجائے۔ تمام مکاتب فکر کے لوگوں کی ذمہ داری

ہے کہ اسلام کے قانون کو اس سلسلہ میں جاری کرنے کے لئے متحد ہو کر کوشش کریں تاکہ عالم اسلام اور اسلامی ممالک، دشمنوں کی گھنائونی سازش سے بچ سکیں۔

حقیقی اسکالرز اور علمائے حق کا فریضہ ہے کہ وہ اسلامی بیداری کی کوشش کریں اور بیداری کی جو لہر چلی ہے اسے صحیح سمت میں گامزن کریں۔ ورنہ حکمران، سیاست دان، میڈیا کے زریعہ حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے والے اور بہت سے علمائے سو اپنی دنیا کیلئے، اپنے مادی مقاصد اور فائدے کیلئے دشمنوں سے براہ راست یا دشمنوں کے واسطوں کے ذریعہ بالواسطہ پیسہ لیکر دولت لیکر نہ فقط یہ کہ خاموش رہتے ہیں، بلکہ مسلمانان عالم کو اور بھی تشویش میں مبتلا کر دیتے ہیں۔

یہ اسلام کیلئے بڑی آفت اور مسلمانوں کیلئے بہت بڑی آزمائش وامتحان ہے۔ لہٰذا بیداری کی ضرورت ہے، بصیرت کی ضرورت ہے تاکہ حقائق کو سمجھا جاسکے اور ان حالات سے نمٹا جاسکے۔ جب تک معاشرے کی باگ ڈور تنگ نظر، خائن، دنیا کے لالچی اور بے دین لوگوں کے ہاتھوں میں ہو گی، عالم اسلام اس زبوں حالی سے باہر نہ نکل سکے گا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ عالم اسلام میں اسلامی ممالک میں حقیقی بیداری رونما ہو۔ مسلمان با بصیرت ہو جائیں، اپنے حقیقی دشمنوں کو پہچانیں، ان کی سازش سے آگاہ اور باخبر ہوں۔ نادانی کا مظاہرہ کرنے کے بجائے، دانائی و بصیرت کے ساتھ حقائق کو سمجھ کر بیرونی اور اندرونی دشمنوں سے نمٹیں اور ان کی سازشوں کو خاک میں ملادیں۔

اس مقالے کی تکمیل کے لئے ضروری ہے کہ تصویر کا دوسرا رخ بھی پیش کیا جائے اور تحقیقی جائزے کے دوسرے پہلو کو بھی مکمل طور پر قارئین کے سامنے پیش کیا جائے۔ تحقیقی جائزے میں تصویر کا دوسرا رخ اسلامی ممالک میں مختلف سیاسی احزاب، پارٹیوں، سیاسی گروہوں اور وہاں موجود مختلف سیاسی شخصیتوں کا کردار، اور اس طرح ان ممالک کی افواج اور وہاں کے فوجی افسران کا رول ہے۔

ملکی اقتدار و حکومت کے حصول کے لیئے اسلامی ممالک میں مختلف سیاسی پارٹیوں اور احزاب اور سیاسی گروہوں کے درمیان رقابت اور رسا کشی جاری اور چلتی رہتی ہے۔ دنیا پرستی، قدرت طلبی اور اقتدار کی خواہش نے اکثر سیاسی شخصیات اور سیاسی پارٹیوں کو اندھا کر دیا ہے اور وہ حق سے بے بہرہ ہیں۔ ان کے پیش نظر صرف اپنے ہی سیاسی اور مادی و دنیاوی مفادات ہیں، اس کے علاوہ کوئی چیز ان کی نگاہ میں اہم نہیں ہے۔ نہ ہی انہیں اپنے وطن اور ملک کے باشندوں سے کوئی ہمدردی ہے اور نہ ہی ملکی ترقی اور وقار کی فکر ہے۔ اگر ان کی نگاہ میں کوئی چیز اہم ہے تو وہ ان کی دنیا، مال و متاع دنیوی اور حصول قدرت و

اقتدار اہم ہے۔اب اس کے لئے اگر ان کو انسانی اور اسلامی اقدار کو پامال کرنا پڑے تو وہ ایسا ہی کرتے ہیں اور اپنے مقاصد کے حصول کے لئے اسلامی معاشرے میں اپنے جھوٹے پروپیگنڈے اور جھوٹے دعوے کے ذریعہ لوگوں کو دھوکہ وفریب دیتے ہیں۔

الغرض اسلامی معاشرے میں ان کے کردار سے افراتفری اور لڑائی جھگڑا ہوتا ہے تو ہو،انہیں صرف اپنا اقتدار عزیز ہے۔جس کے لئے بھائی کو بھائی سے لڑوادیتے ہیں،تمام اخلاقی اقدار کو اپنے پاؤں تلے کچل دیتے ہیں۔اپنے مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے معاشرے میں خونریزی کرنا پڑے،لوگوں کا خون بہانا پڑے،فتنہ و فساد برپا کرنا پڑے وہ سب کچھ کر دیتے ہیں۔دین ومذہب کو اپنی شہرت اور اپنے اقتدار اپنی دنیا کے لئے ذریعہ اور وسیلہ بناتے ہیں۔مختلف مذہبی گروہوں کو آپس میں لڑاتے ہیں تاکہ ان تمام مذموم اور ناپسندیدہ کاموں کے ذریعہ اپنے مذموم اہداف کو حاصل کر سکیں۔یہ وہ باتیں ہیں جو روز روشن کی طرح عیاں ہیں اور ان کو ثابت کرنے کے لئے دلائل کی ضرورت نہیں ہے۔

اسلامی ممالک میں جو شخصیات اور جو پارٹیاں برسر اقتدار آتی ہیں معمولاً و غالباً وہ سب ملکی خزانے اور ملکی وسائل کو لوٹنے اور لوٹ مار کرنے میں مشغول ہو جاتی ہیں۔بیت المال مسلمین کو بیدردی سے اپنی عیاشیوں اور عیش وعشرت کے لئے خرچ کرتی ہیں۔جس کی وجہ سے اسلامی ممالک کے مسلمان اور باشندے فقر وغربت اور بدبختی میں مبتلا ہو گئے ہیں۔

انہیں مسائل سے نجات دلانے والا اور ان سے حقیقی ہمدردی کرنے والا کوئی نہیں ہے۔مضطرب اور پریشان مسلمانوں کے دل کی یہ آواز ہے کہ خدایا مرسل اعظم ﷺ کی امت کے لئے اب کوئی حقیقی مصلح اعظم بھیج دے جو اُمت مسلمہ کے بگڑے ہوئے امور کی اصلاح کرے۔ان ظالم وجابر حکمرانوں ، سیاستدانوں ،سیاسی پارٹیوں سے نجات دلا کر عالم اسلام اور روئے زمین سے ناحق خونریزی اور فتنہ و فساد کو ختم کرے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا (۱۷)

اس وقت مسلم ممالک ان ظالم اور نالائق حکمرانوں اور سیاستدانوں کے آلودہ اور کثیف نظام کے اندر جھگڑے ہوے ہیں مختلف سیاسی شخصیتیں اور پارٹیاں اقتدار کے حصول کی خاطر اسلامی ممالک اور مسلمانوں کے دشمن کے ساتھ گٹھ جوڑ کرتے ہیں۔ان کے ساتھ مل کر ان کی سازشوں کو کامیاب بنانے

کے لئے ان کے فارمولے اور ان کی پالیسی پر عمل کرتے ہیں یا کرنے کا یقین دلاتے ہیں۔ منافقت سے کام لیتے ہیں۔ عوام کے سامنے تو کچھ کہتے ہیں اور حقیقت میں دشمنانِ اسلام کے ساتھ دوستی کرتے اور انہیں خوش کرتے ہیں۔ خداوند عالم ایسے تمام منافقین اور جھوٹے لوگوں کے شر سے بچائے، جن کی وجہ سے مسلمان ممالک تنزلی اور پستی کا شکار ہو چکے ہیں۔ دشمن کے مقابلے میں کمزور اور ذلیل و رسوا ہو چکے ہیں۔

یہ وہ باتیں ہیں جن کے بارے میں تحقیق کرنے کے لئے کوئی پاپڑ بیلنے کی ضرورت نہیں اس لئے کہ یہ وہ واضح حالات ہیں جو اَظہرُ مِن الشّمس ہیں اور سبھی ان حالات کو سامنے دیکھ رہے ہیں۔ طاغوتی، فرعونی اور شیطانی حکومتیں اور طاقتیں ایسے گھٹیا، پست اور ضمیر فروش حکمرانوں، سیاستدانوں، میڈیا کے افراد طاغوتی سوچ رکھنے والے متکبر اور مستکبر فوجی افسروں، دین کے نام پر دین کی آڑ میں دنیا کمانے والے ملاؤں اور علماء سو کو اپنا وسیلہ بنا کر اپنا جاسوس اور آلہ کار بنا کر اسلامی معاشرے کو اختلافات سے دوچار کرتی ہیں۔ معاشرے میں خوں ریزی، فتنہ و فساد، لوٹ مار اور ناامنی پیدا کرنے کے لئے ایسے افراد جن کی تعداد بہت کثیر ہے استعمال کیئے جاتے ہیں اور اسلامی معاشرہ لڑائی جگڑے، خون ریزی، لوٹ مار اور فتنہ و فساد کی وجہ سے کمزور ہو جاتا ہے۔ ایسے میں ان شیطانی طاقتوں کا اسلامی معاشرے اور اسلامی ملک پر تسلط آسان اور ممکن ہو جاتا ہے۔

آج افسوس کے ساتھ ہم دیکھتے ہیں کہ عالم اسلام، اسلامی ممالک سیاسی طور پر کمزور ہیں وہاں کے حکمراں اسلامی ممالک کے حقیقی دشمنوں کو دوست کہہ رہے ہیں کیونکہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم نے ایسا نہ کیا اور ان کے ساتھ دوستی نہ کی ان کی بات نہ مانی ان کا حکم نہ مانا، ان کی پالیسی پر عمل نہ کیا تو کوئی دوسرا سیاسی گروہ، کوئی فوجی افسر ان کے ساتھ دوستی کا ہاتھ بڑھا کر ان کے ساتھ گٹھ جوڑ کر کے ہمارا اقتدار چھین لے گا اور ہمیں نابود کر دے گا۔

اسلامی ممالک میں انہی خیانت کاروں نے خود بھی آپس میں پھوٹ ڈالی، تفرقہ ڈالا، لڑائی جھگڑا کیا اور عوام کو بھی بہکایا، بھڑکایا اور اسلامی معاشرے میں بھائی چارے کی فضا کو ختم کر دیا۔ بھائی کو بھائی سے لڑایا، نفرتیں پیدا کیں اور اس طرح شیطانی ایجنڈے پر سب نے مل کر عمل کیا اور دشمن کی سازش کو کامیاب بنایا ہے۔ کیونکہ دشمن اور شیطان مسلمانوں کے درمیان لڑائی جھگڑا چاہتا ہے اور انہیں لڑا کر کمزور کرنا اس کا ہدف ہے۔ جبکہ اسلام انہیں بھائی بھائی بنا کر مضبوط اور قوی کرنا چاہتا ہے۔ پرامن اور

مستحکم و مضبوط اسلامی معاشرے کا قیام چاہتا ہے۔ عوام الناس کے دل کی اور عام مسلمانوں کے دل کی بھی یہی تمنا اور آرزو ہے۔

قرآن کریم فرماتا ہے :

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْکُمْ وَاتَّقُوْا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ (الحجرات ۱۰)

یعنی: "مؤمنین آپس میں بالکل بھائی بھائی ہیں لہٰذا اپنے بھائیوں کے درمیان اصلاح کرو اور اللہ سے ڈرتے ہو کہ شاید تم پر رحم کیا جائے"۔ (۱۸) خداوند متعال تمام مسلمانوں کو بھائی بھائی بن کر پُر امن معاشرے کے قیام کی توفیق عطا فرمائے۔

موجودہ حالات کو سامنے رکھتے ہوئے مسلمانوں کی گذشتہ تاریخ اور اسلامی تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں کو ہمیشہ اس قسم کے حالات کا سامنا رہا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ تاریخ سے سبق لیں اور عبرت و نصیحت حاصل کرتے ہوئے اپنی غلطیوں کی اصلاح کریں۔ اس طرح ان مشکلات سے نکلنے اور بحر ان پر قابو پانے کی مخلصانہ کوشش کی جانی چاہیے۔

آخر میں ایک اور اہم نکتہ کی جانب اشارہ ضروری ہے کہ اسلامی معاشرے میں، اسلامی ممالک میں جو کفار اور دیگر مذاہب و ادیان کے لوگ رہتے ہیں اور ملکی قوانین کی پابندی کرتے ہیں پُر امن شہری ہیں اور اپنی ذمہ داریاں دوسروں کی طرح پوری کرتے ہیں تو وہاں مسلمانوں کو یہ کوئی حق نہیں کہ ناحق ان پر ظلم کریں، ان کو قتل کریں اور ان کی آبرو سے کھیلیں۔ بلکہ اسلام نے ایسے پُر امن اور اپنی ذمہ داریوں اور قوانین کی پابندی کرنے والے شہریوں کے ساتھ مسالمت آمیز زندگی گزارنے کی تعلیم دی ہے اور یہ اجازت نہیں دی کہ ان کو نقصان پہنچایا جائے۔

حکومت کی بھی یہ ذمہ داری ہے کہ معاشرے میں مسلمانوں کی طرح، ان کی جان مال عزت و آبرو کا تحفظ کرے اور اگر کوئی ان کے ساتھ زیادتی کرتا ہے تو انہیں روکے۔ لیکن افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ مسلمانوں نے اپنے کردار سے اسلام پر عمل کرنے کے بجائے اپنی خواہشات کی پیروی کی اور شدت پسندی اور انتہا پسندی اور قدامت پسندی کو اپنا کر اور رغیر منطقی طریقہ کو اختیار کرکے اسلام کی بدنامی کا سامان فراہم کیا ہے۔

اسلام تو ایک ایسے مثالی معاشرے کی تشکیل کا حکم دیتا ہے جہاں حقوق بشر کا مکمل لحاظ رکھا جائے۔ امن وامان اس معاشرے میں قائم ہو۔ وہاں رہنے والے اپنے آپ کو محفوظ پائیں۔ قاتلین اور مجرمین کو

اسلام کے حکیمانہ قوانین کے مطابق سزا دی جائے تاکہ معاشرے سے جرائم کا خاتمہ ہو۔ ظلم و ستم ختم ہو جائے اور عدل و انصاف کا بول بالا ہو۔ تمام لوگ اپنے فرائض پر عمل کرتے ہوں اور سب کو انکے حقوق ملتے ہوں۔ آخر میں خداوند متعال سے دعا ہے کہ مسلمانوں کو اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر مثالی معاشرے کی تشکیل کی توفیق عنایت فرمائے۔

حوالہ جات[1]

۱. آل عمران ۱۰۳

۲. آل عمران آیت ۱۰۳

۳. تفسیر کبیر، ص ۱۷۹،۱۷۸ فخر الدّین رازی ، ناشر: دار الفکر، تفسیر نمونہ آیت اللہ، ناصر مکارم شیرازی وہمکاران ,ج ۴، ۳ ص ۳۹،۳۸ مکتبۃ الاسلامیہ تہران.

۴. آل عمران آیت ۱۰۲

۵. آل عمران آیت ۱۰۴

۶. محفل شعر وادب (ویب سائیٹ)

۷. محفل شعر وادب (ویب سائیٹ)

۸. غایۃ المرام فی علم الکلام، ص، ۳۶۳ سیف الدین الآمدی، وشرح العقائد، ج، ۲ ص، ۲۷۱، التفتازانی۔ (ماخوذ از: استاد شیخ جعفر سبحانی، الالہیات ، ص ۱۰) عقائد استاد شیخ جعفر سبحانی (در صورت سوال وجواب)

۹. سورہ بقرہ، آیت ۱۲،۱۱

۱۰. سورہ بقرہ، آیت ۱۲

۱۱. سورہ انبیاء، آیت ۹۲

۱۲. سورہ مومنون، آیت ۵۲

۱۳. کلیات اقبال

۱۴. الفقہ علی المذاہب الاربعۃ، مبحث احکام قطاع الطریق، ص، ۳۶ ج ۵ عبدالرّحمٰن الجزیری کے حاشیہ پر (دار الکتب العلمیۃ بیروت)

۱۵. کلیات اقبال

۱۶. کلیات اقبال

۱۷. کلّیات اقبال

۱۸. سورہ حجرات آیت ۱۰۔

اسلامی تہذیب کی تشکیل میں شیعوں کا کردار

سید رمیز الحسن موسوی *

srhm2000@yahoo.com

کلیدی کلمات: تہذیب و تمدن، ،مدنیت، شیعہ، تشیع، ،فاطمی،آل بویہ، تفسیر، فقہ، تحریک ترجمہ۔

خلاصہ:

اکثر مسلمان مؤرخین نے اپنے سیاسی اور مسلکی مفادات کے پیش نظر اسلامی تہذیب کی تشکیل اہل تشیع کے تاریخی کردار کو درست بیان نہیں کیا۔ انہوں نے اسلامی تہذیب کی تشکیل کا کارنامہ فقط خلفائے کرام اور چند مسلمان حکمرانوں کے نام لکھا۔ حالانکہ تاریخ کے گہرے مطالعہ سے ایسے واضح نشانات ملتے ہیں جو اسلامی تہذیب کی تشکیل میں ائمہ اہل بیتؑ اور اُن کے پیروکاروں (امامیہ اثناء عشریہ ،زیدیہ ،اسماعیلیہ) کے کردار کو نمایاں کرتے ہیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلامی تہذیب کی تشکیل میں حضرت امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہما السلام اور آپ کے شاگردوں نے بہت اہم کردار ادا کیا۔ مختلف علوم و معارف کسی بھی تہذیب و تمدن کی اساس شمار ہوتے ہیں ۔اسلامی تہذیب میں تفسیر ،فقہ ، فلسفہ و کلام ،حدیث وغیرہ جیسے اسلامی علوم کی آبیاری میں ان ہستیوں کا کردار، اسلامی تاریخ تہذیب و تمدن کی تشکیل کا ایک ناقابل انکار باب ہیں۔ اس مقالہ میں ائمہ اہل بیتؑ اور اُن کے شیعوں کے اسی کردار کو اجاگر کیا گیا ہے۔

---

* ۔ مدیر مجلّہ سہ ماہی "نور معرفت" نور الہدیٰ مرکز تحقیقات (نمت)، بھارہ کہو، اسلام آباد۔

تمہید

عموماً اسلامی تاریخ کے موٴرخین نے حکمرانوں کے زیر تسلط ہونے کی وجہ سے شیعہ امامیہ کے تاریخی کردار کو اُس طرح پیش نہیں کیا جس طرح اُن کا حق تھا اور آج اسلامی تہذیب و تمدن کی تشکیل میں مسلمان خلفاء اور حکمرانوں ہی کو پیش کیا جاتا ہے اور ائمہ اہل بیت اطہار علیہم السلام کا علمی اور معنوی کردار اُسی تعصب کا نشانہ بن جاتا ہے جس کی بنیاد اُموی اور عباسی حکمرانوں نے رکھی تھی۔ لیکن اس کے باوجود تاریخ کے گہرے مطالعہ سے بہت سے ایسے واضح نشانات ملتے ہیں جو اسلامی تہذیب میں اہل بیت اطہارؑ اور اُن کے پیروکاروں کے نقش قدم کو نمایاں طور پر پیش کرتے ہیں۔اس مقالے میں انہی نقوش کو نمایاں کرنے کی سعی کی گئی ہے۔

تہذیب و تمدن کی تعریف

اس سے پہلے کہ ہم اصل موضوع کی طرف آئیں ،خود کلمہ '' تہذیب و تمدن '' کی تعریف وتوصیف کرنا ضروری سمجھتے ہیں تاکہ قاری کو اس تحریر میں اس کلمے کے استعمال کا ادراک ہوسکے۔

تہذیب کو انگریزی میں سویلائزیشن اور عربی و فارسی میں تمدن کہتے ہیں۔ تہذیب ایک ایسا گہوارہ ہے جس میں انسانیت پروان چڑھتی ہے، انسان کا تشخص قائم ہوتا ہے،اس کی شناخت ہوتی ہے، اس کے لیے ترقی کی راہیں ہموار ہوتی ہیں اور اس کو اپنا کر وہ زندگی کے مراحل طے کرتا ہے اور دوسری اقوام وملل سے ممتاز ہوتا ہے۔ ثقافت (کلچر) اور تہذیب (سویلائزیشن) کی اصطلاحات عمرانیات ،تاریخ اور فلسفے کے مباحث میں استعمال ہوتی ہیں۔ البتہ ان کی فنی تعریف میں اختلاف نظر پایا جاتا ہے لیکن بعض اوقات ان دونوں کو مترادف بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

تمدن کے عنوان سے کتابیں لکھنے والے علماء ، دانشوروں اور لغت نویسوں کے مطابق تمدن ''مدینہ '' سے مأخوذ ہے جس کا معنی ''شہر '' ہے۔ اس لحاظ سے تمدن اور مدنیت (شہر نشینی) مترادف ہیں۔ لیکن اس کے اصطلاحی معنیٰ کے مطابق تہذیب و تمدن کا اطلاق انسانی زندگی کے اس مرحلے پر ہوتا ہے کہ جب انسان ترقی اور پیشرفت کرلیتا ہے اور ابزار وآلات سے استفادہ کرنے لگتا ہے۔یعنی اپنی زندگی میں تبدیلی لاتے ہوئے وہ رفاہ وآسائش حاصل کرلیتا ہے۔ایک مغربی دانشور کے مطابق انسان اب تک تہذیب و تمدن کے تین مراحل طے کرچکا ہے:

سب سے پہلا مرحلہ وہ ہے جب انسان زراعت اور کھیتی باڑی سے آگاہ ہوتا ہے۔ اس مرحلے میں انسان کھیتی باڑی اور ذخیرہ اندوزی سے آگاہ ہوتا ہے۔ لہٰذا اس مرحلے میں انسان کی زندگی میں ایک تبدیلی واقع ہوتی ہے، اس کو ''زرعی تہذیب و تمدن'' کہا جاتا ہے۔

انسانی تہذیب و تمدن کا دوسرا مرحلہ وہ ہے جب انسان ''صنعت'' سے آگاہ ہوتا ہے۔ اس مرحلے میں انسان صنعت و حرفت کو استعمال میں لاتا ہے اور آہن اور فولاد پر مسلط ہو جاتا ہے۔ انسانی تہذیب و تمدن کا تیسرا مرحلہ ہمارے معاصر زمانے کا تمدن ہے، جسے ہم ''سائنسی تمدن'' کہتے ہیں۔ اس مرحلے میں جو ملک و قوم جس قدر سائنس اور ٹیکنالوجی سے بہرہ مند ہوگی، اسی قدر دوسروں سے زیادہ پیشرفتہ اور ترقی یافتہ کہلائے گی۔ اس لئے تمام ممالک کو انہی تین قسم کے تمدنوں کے لحاظ سے تین انواع میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

مادی اور معنوی تہذیب وتمدن

تہذیب و تمدن مادی بھی ہوسکتا ہے اور معنوی بھی۔ مادی تمدن سے مراد صنعت، زراعت، سائنس و ٹیکنالوجی ہے جس کو موجودہ دور میں سائنسی ترقی کا نام دیا جاتا ہے۔ جبکہ معنوی تمدن سے مراد انسانی معاشروں کا مسالمت آمیز زندگی سے بہرہ مند ہونا ہے۔ یہ تہذیب و تمدن کی اعلیٰ ترین قسم شمار ہوتی ہے۔ یعنی کسی معاشرے کے متمدن ہونے کے لئے یہی کافی نہیں کہ وہ صنعت اور ٹیکنالوجی سے بہرہ مند ہے (یہ بھی ایک تمدن ہے لیکن تمدن کی مطلوبہ اور آئیڈیل شکل نہیں اور نہ ہی اس سے انسان کو سعادت اور خوشبختی حاصل ہوسکتی ہے) بلکہ ایک آئیڈیل اور پسندیدہ تہذیب و تمدن وہ ہے جس میں انسان فکر و سوچ کے لحاظ سے بالغ ہو جائے اور کم از کم اس طرح زندگی گذارنے کے قابل ہو جائے کہ اُس کے ہاتھ سے کسی دوسرے انسان کو نقصان نہ پہنچے۔

یہ وہی مرحلہ ہے جس کی طرف اسلام انسانوں کو لے جانا چاہتا ہے جیسا کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے فرمایا: مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں۔ تہذیب و تمدن کی یہ (مادی و معنوی) تقسیم تمدن کے لغوی معنیٰ کے ساتھ زیادہ تناسب رکھتی ہے کیونکہ "مدینہ" (شہر) کے لفظ میں تہذیب و ثقافت کا وجود ضروری ہے، لیکن بَدَوی (خانہ بدوش) اور غیر مہذب معاشروں میں اس قسم کی کسی چیز کا تصور نہیں کیا جاتا۔ لہٰذا جب ایک معاشرہ بدویّت سے مدنیّت کی طرف آتا ہے تو اس وقت اُسے مہذب و متمدن کہا جاتا ہے۔

البتہ یہ نکتہ بھی اہم ہے کہ تہذیب و تمدن کو ان دو معنوں میں تقسیم کرنا درست ہے اور اس کی دوسری قسم (معنوی) تمدن پہلی قسم (مادی تمدن) سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ لیکن اصطلاحاً جب تمدن کہا جاتا ہے تو زیادہ تر اس کا مادی پہلو ہی مد نظر ہوتا ہے۔ یعنی ایک ایسے معاشرے کو متمدن سمجھا جاتا ہے جو صنعتی اور سائنسی لحاظ سے ترقی یافتہ ہو۔

لہٰذا ضروری کہ اس مقالے میں تہذیب و تمدن کے ان دونوں معانی کو مد نظر رکھا جائے۔ البتہ اہل دین و دیانت کی نظر میں صنعتی اور سائنسی تمدن ہی انسانی سعادت کے لئے کافی نہیں ہے، لیکن ممکن ہے مغربی دانشور اور دوسرے غیر دینی مکاتیب فکر اس بات کو قبول نہ کریں۔ چونکہ مغربی دنیا پر حاکم قدروں کے مطابق معنوی ترقی و پیشرفت سے زیادہ مادی ترقی و پیشرفت زیادہ اہم ہے۔ اسی لئے آج تک مغرب میں صنعت اور سائنس کو انسانیت کی تخریب میں استعمال کیا گیا ہے اور انسانی صلاحیتوں کو جنگی اسلحہ میں ترقی اور کمزوروں پر مسلط ہونے کے لئے استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ درحقیقت اُنہوں نے علمی آزادی کو سلب کرتے ہوئے علم و سائنس کو اپنی مادی اغراض پورا کرنے کے لئے استعمال کیا ہے۔ اس لیے ہمارے نزدیک فقط مادی تمدن ہی کافی نہیں اس کے ساتھ معنوی تہذیب و تمدن بھی ضروری ہے جس کی ہمارے دین نے بہت زیادہ تاکید کی ہے۔ بہر حال گزشتہ بحث کا خلاصہ یہ کہ ہر معاشرے میں انسان کی معنوی اور مادی کوششوں کے نتیجے میں ہی تہذیب و تمدن وجود میں آتا ہے۔

اسلامی تہذیب وتمدن کا تعارف

اسلامی تہذیب و تمدن سے مراد مسلمانوں کی وہ ترقی اور پیشرفت ہے کہ جو اسلامی تعلیمات کے نتیجے میں وجود میں آئی۔ اس میں وہ تمام علوم و فنون شامل ہیں جن میں مسلمانوں نے ترقی کی اور ان کے دنیا میں پھلنے پھولنے میں کردار ادا کیا۔ مثلاً طب و سائنس، فلسفہ اور کلام اور دوسرے علوم و فنوں جن میں مسلمان علماء اور دانشوروں کی کوششوں کو تاریخ نے ثبت کیا ہے۔ اسی طرح عظیم الشان کتابخانوں، علمی مدارس اور تاریخی عمارتوں کی تأسیس اور انسانی آسائش و رفاہ کے کاموں میں مسلمانوں نے جو کوششیں کی ہیں وہ بھی اسلامی تہذیب و تمدن کا ایک اہم حصہ ہیں۔

اسلامی تمدن کا سرچشمہ اسلامی تعلیمات اور اسلامی افکار ہیں۔ پیغمبر اسلام ﷺ اور دوسرے بزرگان دین نے علم و دانش کے حصول کی تشویق پر مبنی جو فرامین اور ہدایات دی ہیں، اُنہی سے اسلامی تمدن کی بنیادیں

فراہم ہوئی ہیں۔اسی طرح اغیار کے تمدن سے آشنا ہونے کے بعد اور دوسرے ممالک کے مسلمان علاقوں میں شامل ہونے کی وجہ سے اسلامی تمدن نے مزید ترقی اور پیشرفت کی ہے۔اسلامی تمدن میں علم ودانش کے حصول کے بارے میں پیغمبر اسلام ﷺ کی خصوصی توجہ کی وجہ سے اس تمدن نے دوسرے تمدنوں سے بھی اقتباس کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کیااور **"حکمت مؤمن کی گمشدہ میراث ہے، اسے جہاں پاؤ حاصل کرلو"** جیسی احادیث نے مسلمانوں کو دوسرے تمدنوں سے اچھی چیزیں لینے میں مدد دی ہے۔اسلامی تہذیب وتمدن کی دوسرے تمدنوں پر فوقیت کے بارے میں آیت اللہ سید علی خامنہ ای لکھتے ہیں:

"اسلام میں روز اول سے ہی شروع ہونے والی علمی تحریک کی برکت سے اسلامی تہذیب و تمدن کو وجود ملا۔ اسلام کے ظہور کو ابھی دو صدیاں بھی نہیں گزری تھیں کہ اسلام کی برق رفتار علمی تحریک شروع ہو گئی، وہ بھی اس دور کے ماحول میں۔ اگر آپ اس وقت کی علمی تحریک کا موازنہ کرنا چاہتے ہیں تو دنیا کے موجودہ علمی مراکز کو پیش نظر رکھیے اور پھر فرض کیجیے کہ کوئی ملک دنیا کے کسی دور دراز کے علاقے میں واقع ہے جو تہذیب و تمدن سے پوری طرح بے بہرہ ہے۔ یہ ملک تہذیب و تمدن کے میدان میں ایک دم داخل ہو اور سو یا ڈیڑھ سو سال کے عرصے میں علمی لحاظ سے تمام تہذیبوں پر فوقیت حاصل کرلے۔"(۱)

شیعہ و تشیع

تاریخ اسلام میں کلمہ تشیع اور شیعہ تین معنوں میں استعمال ہوا ہے:

۱۔شیعہ اور تشیّع اپنے خاص معانی میں کہ جس سے مراد حضرت علی علیہ السلام کی خلافت بلا فصل ہے جس کے تمام امامیہ اور شیعہ فرقے قائل ہیں۔

۲۔خلیفۂ سوم حضرت عثمان کے قتل کے بعد ایک گروہ تو اُن کا حامی باقی رہا جبکہ مسلمانوں کی اکثریت نے حضرت علی علیہ السلام کی بیعت کر لی تھی۔اس اکثریت نے حضرت عثمان کی حمایت نہیں کی۔انہیں بھی شیعیان علی کہا جانے لگا اگرچہ یہ اکثریت اپنے خاص معنیٰ میں شیعہ اعتقادات نہیں رکھتی تھی اور یہ لوگ پہلے دو خلفاء کو بھی قبول کرتے تھے۔یہاں شیعہ سے مراد حضرت علیؑ کے سیاسی حامی ہیں،جو

"شیعۂ عثمان" یا "عثمانیہ" (۲) کے مقابلے میں "شیعۂ علی" کہلائے۔ اعتقادی حوالے سے وہ شیعہ نہیں تھے لیکن سیاسی عنوان سے وہ حضرت علیؑ کو اپنا پیشوا مانتے تھے۔ انہیں ہم اصطلاحی شیعہ نہیں کہہ سکتے۔

۳۔ بطور کلی جو بھی محب اہل بیتؑ تھا تاریخ میں وہ شیعہ کے عنوان سے مشہور ہو گیا۔ مثلاً بعض معتزلی علماء کہ جو اصطلاح خاص کے مطابق شیعہ نہیں تھے، لیکن از نظر علم و فضیلت حضرت علی علیہ السلام کی تفضیل کے قائل تھے، شیعۂ معتزلی کہلانے لگے۔ آج بھی بہت سے محبان اہل بیتؑ ہیں جو فقہی اعتبار سے مذاہب اہل سنت کے پیروکار اور خلفاء کی خلافت کے قائل ہیں، لیکن تفضیل علیؑ کا اعتقاد رکھتے ہیں اور دشمنان علیؑ سے اظہار بیزاری کرتے ہیں۔

اس مقالے میں شیعہ سے مراد اس کا خاص معنیٰ ہے یعنی اصطلاحی شیعہ مراد ہیں جو حضرت علی علیہ السلام کو خلیفۂ بلافصل مانتے ہیں۔ اور اس مقالے میں شیعی تہذیب و تمدن سے مراد بھی وہی تمدن ہے جو تمام شیعہ فرقوں (امامیہ اثنا عشریہ، زیدیہ، اسماعیلیہ) کو شامل ہے۔

معنوی تہذیب و تمدن میں شیعوں کا حصہ

مادی تمدن کے لئے مادی وسائل کی ضرورت ہوتی ہے، لیکن افسوس کے ساتھ ان وسائل سے شیعہ پوری تاریخ میں محروم رہے ہیں۔ اس قسم کے وسائل یا تو تھے ہی نہیں اگر تھے بھی تو بہت کم، کیونکہ مسلمان حکومتوں کے سربراہ ہمیشہ شیعیت کے سیاسی اصول مبانی سے خائف رہے ہیں اور اُنہوں نے نہ فقط شیعوں کو بلکہ ائمہ اطہار علیہم السلام کو بھی ہمیشہ سیاسی منظر سے دور رکھا ہے۔ تاریخ میں شیعیان اہل بیتؑ کے ایسے ایسے مصائب ثبت ہیں کہ جن کو پڑھ کر آج بھی انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اگر کسی علاقے میں ایک مختصر عرصے کے لئے کوئی شیعہ حکومت تشکیل پائی بھی ہے تو مادی لحاظ سے وہاں شیعہ تمدن کے اثرات واضح دیکھے جاسکتے ہیں۔ مثلاً مصر میں فاطمیوں کی حکومت یا آل بویہ کی حکومت میں شیعی اسلامی تمدن کافی حد تک پھلا پھولا ہے اور اس نے بہت سے اہم کام انجام دیے ہیں۔

البتہ معنوی پہلو سے مسئلہ اس کے برعکس ہے چونکہ شیعہ اہل بیت اطہار علیہم السلام کے پیروکار تھے۔ ان کے مطابق اہل بیت اطہار علیہم السلام ہی اسلامی علوم کا سرچشمہ تھے۔ لہٰذا معنوی لحاظ سے شیعہ تمام اسلامی فرقوں میں ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔ مثلاً ائمہ اطہار علیہم السلام سے منقول احادیث اور روایات کی وجہ سے شیعہ ایک بہت ہی وسیع اور بلند مرتبہ معارف پر مبنی تہذیب و تمدن تشکیل دینے میں کامیاب ہوئے

ہیں۔ان احادیث اور روایات کی ایک بڑی تعداد امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہما السلام سے نقل ہوئی ہے۔ائمہ اطہارؑ سے منقول یہ علوم و معارف بنی اُمیہ اور بنی عباس کے درمیان سیاسی چپقلش اور اقتدار کی منتقلی کے دوران عوام الناس میں عام ہوئے ہیں، چونکہ واقعہ کربلا کے بعد بنی اُمیہ کے دور میں شیعوں کے چوتھے پیشوا، حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کا دور سیاسی حوالے سے انتہائی سخت دور تھا، جس میں سیاسی فعالیت تو کہاں علمی اور ثقافتی کام کرنا بھی بہت مشکل تھا۔اس دوران امام زین العابدینؑ جیسے ستم دیدہ دینی پیشوا دعاؤں کے قالب میں اسلامی معارف کو بیان کرنے پر اکتفا کرتے ہیں اور دعا اور مناجات کے ذریعے لوگوں میں اسلامی تہذیب و تمدن کے بیج بونے کی سعی کرتے ہیں۔اس لحاظ سے امام زین العابدین سے منقول دعا و مناجات کا مجموعہ " صحیفہ کاملہ " ہمارے معنوی تمدن کا ایک عظیم سرمایہ شمار ہوتا ہے۔

اسی طرح امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہما السلام کو جب دو سیاسی قوتوں کے درمیان سیاسی چپقلش اور اقتدار کی منتقلی کی وجہ سے جو فرصت ملتی ہے ،اُس سے بھرپور فائدہ اُٹھاتے ہوئے قرآنی اور نبویؐ علوم و معارف کی ترویج کی زبردست مہم شروع کی جاتی ہے۔اس دوران، ان دو ائمہ اہل بیتؑ سے منقول احادیث اور روایات ایک ایسا عظیم علمی ذخیرہ وجود میں آتا ہے جو شیعی اسلامی تمدن کا بہت بڑا سرمایہ ہے ۔بنابریں شیعوں نے معنوی تمدن کے لحاظ سے دوسرے اسلامی فرقوں کی نسبت بہت زیادہ ترقی کی ہے ۔جس کے اثرات جدید دور میں مذید نکھر کر ظاہر ہو رہے ہیں ۔چونکہ جس فکری امنیت اور عملی اخلاق سے شیعہ بہرہ مند ہیں اس سے دوسرے فرقے بہرہ مند نہیں ہیں اور یہ سب ائمہ اہل بیت علیہم السلام کی احادیث کی برکت سے ہے ۔امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہما السلام نے اسلامی تمدن کے دونوں (مادی اور معنوی) پہلوؤں میں بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔مادی پہلو سے دیکھیں تو کیمسٹری کے مشہور سائنسدان جابر بن حیان جیسے شاگرد اور معنوی پہلو سے ہشام بن حکم جیسے متکلم کی پرورش انہی ہستیوں نے کی ہے۔

تاریخی شواہد سے پتا چلتا ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے چار ہزار شاگرد تھے کہ جنہوں نے مختلف علوم و فنون میں امام علیہ السلام سے علم حاصل کیا ہے ۔(۳) کہتے ہیں ایک شخص امام علیہ السلام کی خدمت میں مناظرے کی غرض سے آیا تو آپؑ نے علم کلام ، فقہ اور لغت کے شعبوں میں سے ہر ایک شعبے کے لئے ایک شاگرد کو اس شخص سے مناظرہ کرنے کا حکم دیا۔(۴) یہ جو مشہور ہے کہ حضرت امام

جعفر صادق علیہ السلام کے چار ہزار شاگرد تھے تو اس سے یہ مراد نہیں کہ امام علیہ السلام آج کل کی طرح ایک مدرسے کی عمارت بنائی ہوئی تھی اور اس میں چار ہزار شاگرد آپؑ سے درس لے رہے تھے بلکہ مراد یہ ہے کہ چند سالوں کے دوران بہت سے افراد امام علیہ السلام ی خدمت میں حاضر ہوتے رہے ہیں اور آپ سے علم حاصل کرنے کے بعد اُن شمار آپؑ کے شاگردوں میں ہونے لگتا تھا۔

جیسا کہ حنفی مذہب کے بانی ابو حنیفہ کا شمار بھی امام جعفر صادق علیہ السلام کے شاگردوں ہوتا ہے۔ مشہور ہے کہ اس بات کا اعتراف خود ابو حنیفہ نے ان الفاظ کے ساتھ کیا ہے: "لولا السَنتان لہلک النّعمان "اسی طرح مذہب مالکی کے امام، مالک بن انس بھی امام علیہ السلام کے شاگردوں میں سے ہیں۔ جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے ایک محدود زمانے اور محدود علاقے میں جب بھی شیعوں کو حکومت تشکیل دینے کا موقع ملا ہے، اُنہوں نے مادی لحاظ سے بھی اسلامی تمدن کی بنیادیں مضبوط کرنے کی سعی کی ہے اور اس سلسلے میں اہم کام انجام دیئے ہیں۔ جیسا کہ مصر میں فاطمیوں کی حکومت اور ایران میں آل بویہ کی حکومت نے اسلامی تہذیب و تمدن کے لئے اہم کام کئے ہیں۔

لیکن تاریخ گواہ ہے کہ شیعہ ایک طولانی عرصے کے لئے حکومت سے کبھی بھی بہرہ مند نہیں ہوئے لیکن اُنہیں جب بھی موقع ملا ہے اور اپنی مختصر حکومتوں میں بھی اسلامی تمدن کے اعلیٰ نمونے پیش کئے ہیں۔ جنہیں مؤرخین نے مسلمانوں کے علمی کارناموں کے ضمن میں ذکر کیا ہے اور شیعہ حکومتوں کا بطور خاص ذکر کیا ہے۔ مثلاً شہر سازی، ہسپتالوں کی تعمیر و تاسیس، بند سازی، زراعت اور کھیتی باڑی میں ترقی، علمی مدارس اور علمی و دینی مراکز کی تاسیس بعض شیعی حکومتوں کی اہم کام ہیں۔

اس سلسلے میں تمام شیعہ حکومتوں خواہ وہ بغداد اور ایران میں آل بویہ ہوں یا حمدانیوں کی حکومت ہو یا مصر میں فاطمیوں کا حکومتی سلسلہ ہو، (۵) ان سب نے مادی تمدن سازی میں بہت زیادہ کام انجام دیئے ہیں[۶]۔ مثلاً بغداد میں ''عضدی ہسپتال'' اور شیراز میں ''بند امیر'' عضدالدولہ بیقھی اور شیعی حکومت کی یادگاریں ہیں۔ چوتھی اور پانچویں صدی میں مسلمانوں نے بند بنائے ہیں اور اسی طرح کتابخانوں اور علمی مراکز کی ترویج کے بارے میں بہت سے تاریخی شواہد ملتے ہیں۔ جس میں آل بویہ، فاطمی اور حمدانی سلسلے نے بہت زیادہ دلچسپی لی ہے۔ بعض شیعہ حکومتوں میں شیعہ حکمرانوں نے ہسپتالوں میں مریضوں کے مفت علاج معالجے کا اہتمام کیا ہوا تھا اور صاحب علم و فن لوگوں کے لئے ماہانہ وظائف مقرر کئے ہوئے تھے۔ (۷)

اسلامی علوم کی پیشرفت میں شیعوں کا حصہ

اسلامی تہذیب وتمدن کی بنیادوں میں سے ایک اہم بنیاد مختلف علوم ومعارف ہیں کہ جن کی وجہ سے یہ تمدن دوسرے تمدنوں میں ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔چونکہ اسلام نے کسب علم کی بہت زیادہ تاکید کی ہے ،اس لحاظ سے دیکھا جائے تو تفسیر ،فقہ ، فلسفہ وکلام ،حدیث وغیرہ خالص اسلامی علوم ہیں ،ان میں مسلمانوں کی ترقی ہی کی وجہ سے اسلامی تمدن نے عروج حاصل کیا ہے۔مذکورہ تمام علوم میں شیعہ سب سے ممتاز نظر آتے ہیں۔ ائمہ اطہارؑ اور اُن کے پیروکار شیعوں نے اسلامی علوم ومعارف کی پیش رفت میں جو نمایاں کارکردگی دکھائی ہے اُس کا مختصر جائزہ یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

علم تفسیر

سب سے پہلے ہم علم تفسیر کو ہی لیتے ہیں۔علم تفسیر ایک لحاظ سے اسلام سے پہلے بھی موجود تھا جیسا کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے درمیان کتب مقدس کی تفسیر کی جاتی تھی اور اُنہوں نے بھی اپنی آسمانی کتب کی شرحیں کی ہیں۔اگرچہ یہ شرحیں مکتوب شکل میں نہیں تھیں البتہ ایک لحاظ سے ان کو بھی کتب مقدس کی تفسیر کہہ سکتے ہیں۔لیکن یہاں ہماری مراد قرآن کی تفسیر ہے۔تفسیر قرآن میں بھی شیعہ سرفہرست ہیں۔ سب سے پہلے مفسر قرآن خود امیر المؤمنین علی علیہ السلام ہیں۔آپؑ فرماتے ہیں:

"کوئی ایسی آیت نازل نہیں ہوئی کہ جس کا مجھے علم نہ ہو کہ کس کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور کہاں نازل ہوئی ہے۔بتحقیق میرے اللہ نے مجھے قلب فہیم اور زبان گویا عطا فرمائی ہے"۔(۸)

اس بات کی تصریح کتب اہل سنت میں بھی ہوئی ہے۔چنانچہ علامہ سیوطی لکھتے ہیں:

ولا احفظ عن ابی بکر رضی اللہ عنہ فی التفسیر الا آثارا قلیلۃ جدا لاتکاد تجاوز العشرۃ و اما علی(رضی اللہ عنہ) فروی عنہ الکثیر و قد روی معمر عن وھب بن عبداللہ عن ابی الطفیل قال شھدت علیا یخطب و ھو یقول: سلونی فواللہ لاتسألون عن شئی اِلاّ اخبر لکم و سلونی عن کتاب اللہ فواللہ ما من آیۃ اِلاّ وأنا أعلمُ أبلیل نزلت أم بنھار أم فی سھل ام فی جبل۔(۹)

یعنی: "اور مجھے تو ابو بکر رضی اللہ عنہ سے تفسیر قرآن کے متعلق بہت کم روایات دستیاب ہو سکی ہیں جن کی تعداد دس سے زیادہ نہیں۔البتہ علی (رضی اللہ عنہ) سے اس بارے میں زیادہ روایات لی گئی ہیں۔چنانچہ معمر نے وہب بن عبداللہ سے انہوں نے ابوالطفیل سے روایت کی ہے کہ میں نے علی کو ایک خطبہ فرماتے سنا کہ پوچھ لو مجھ سے خدا کی قسم مجھ سے تم جس چیز کا سوال کروگے بتاؤں گا اور مجھ سے قرآن شریف کے متعلق پوچھو، پس اللہ کی قسم کوئی آیت ایسی نہیں جس کو میں نہ جانتا ہوں، خواہ رات میں اُتری ہو یا دن میں زمین پر نازل ہوئی ہو یا پہاڑ پر۔"

جیسا کہ کتب سیر وحدیث میں ہے کہ امام علی علیہ السلام کے بعد اُن کے شاگرد اور عظیم مفسر حضرت ابن عباسؓ نے ایک تفسیر لکھی ہے کہ جو اس وقت بھی موجود ہے اور اہل سنت بھی اُن کی تفسیری آراء کو قبول کرتے ہیں۔ابن عباسؓ کی تفسیر کی خصوصیات میں سے ایک یہ ہے کہ وہ قرآن کے کلمات اور الفاظ کا معنیٰ کرتے وقت ایام جاہلیت کے اشعار سے بھی استفادہ کرتے ہیں۔اور تفسیر کے باب میں یہ بہت اہم چیز ہے۔مثلاً اُنہوں نے قرآن کے ہر کلمہ کی وضاحت میں لکھا ہے کہ فلاں کلمہ امرؤالقیس کے فلاں شعر میں بھی آیا ہے اور وہاں اس کا یہ معنیٰ ہے۔دوسرے بڑے مفسرین نے بھی اُن کی تفسیر سے اقوال نقل کئے ہیں مثلاً طبری نے اُن سے بہت سے اقوال نقل کئے ہیں۔

ابن عباسؓ کے بعد سعید بن جبیرؓ کہ جو مشہور شیعہ اور مفسر تھے جنہوں نے تفسیر لکھی ہے۔ان کے بعد بھی ہر صدی میں شیعوں نے تفسیر قرآن پر خصوصی توجہ دی ہے۔اور شیعہ علماء نے بہت سی تفاسیر قرآن لکھی ہیں۔جن میں سے بعض چھپ چکی ہیں اور بعض خطی نسخوں کی صورت میں محفوظ ہیں۔بہت سے متعصب لوگوں نے شیعوں پر عظیم ظلم کیا ہے اور لکھا ہے کہ شیعوں نے قرآن پر کوئی توجہ نہیں دی حالانکہ شیعہ تفاسیر کی تعداد اہل سنت تفاسیر سے کہیں زیادہ ہے۔

علم فقہ اور حدیث

فقہ کے بارے میں بھی دیکھا جائے تو شیعہ دوسرے اسلامی فرقوں کی نسبت بہت زیادہ توفیقات سے بہرہ مند ہیں۔ائمہ اطہار بالخصوص امام باقر اور امام جعفر صادق علیہم السلام نے فقہ اہل بیت کو مدون کرنے میں بہت زیادہ کوششیں کی ہیں۔البتہ فقہ فقط علم عقلی ہی نہیں بلکہ اس میں ہم منقولات کے زیادہ محتاج

ہیں۔ شیعہ مکتب کی خوش نصیبی ہے عقیدۂ امامت کی بدولت انہی رسول اکرم ﷺ سے متصل کرنے والے سلسلۂ عصمت وطہارت کی وجہ سے منقولات کا ایک وسیع ذخیرہ ملا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کے بعد اُن کی علمی اور روحانی وراثت کے امین بارہ ائمہ معصومینؑ نے شیعوں کے لئے زندگی کے ہر شعبے سے متعلق احادیث اور روایات کا ایک وافر ذخیرہ چھوڑا ہے ،اس لئے شیعہ مکتب کے پاس فقہی احادیث کا ایک بہت بڑا ذخیرہ ہونے کی وجہ سے وہ ہر موضوع پر شرعی احکام کا استنباط کر سکتے ہیں اور پھر شیعوں نے دروازہ اجتہاد بھی بند نہیں کیا جس کی وجہ سے ہر دور میں مجتہدین موجود رہے ہیں اور جدید سے جدید مسائل کے حل کے لئے احکام استنباط ہوتے رہے ہیں۔افسوس کے ساتھ اہل سنت کے پاس اس قسم کے فقہی منابع نہیں چونکہ وہ فقط احادیث نبویؐ پر اکتفا کرتے ہیں جن کی تعداد شیعہ احادیث کی نسبت بہت کم ہے۔جس کی وجہ سے اہل سنت کے ائمہ فقہ کو قیاس اور استحسان جیسے ذرائع کا محتاج ہونا پڑا ہے جو ہمارے نزدیک یقین آور نہیں ہیں۔شیعہ مکتب فکر کے مطابق جو احادیث ائمہ معصومین علیہم السلام کے ذریعے ہم تک پہنچی ہیں ،اُن کا سلسلہ روایت خود پیغمبر اکرم ﷺ تک پہنچتا ہے جو یقینی ترین سلسلہ سند ہے۔

بنابریں شیعوں کے پاس علم فقہ میں ایک عظیم سرمایہ موجود ہے جس کی بدولت وہ ایک ترقی یافتہ فقہ کی پیروی کرتے ہیں اور زمان ومکان کے لحاظ سے فقہی احکام میں اُنہیں کوئی مشکل پیش نہیں آتی اور وہ باب اجتہاد کے کھلا ہونے کی وجہ سے جدید زمانے کے تقاضوں کے مطابق شرعی زندگی گذار سکتے ہیں ۔اسی طرح شیعہ فقہ میں جدید تمدن کے پیدا شدہ تمام سوالات کا جواب موجود ہے۔

اہل سنت کے ہاں ایک عرصہ دراز تک حدیث کی کتابت پر پابندی تھی۔کہتے ہیں یہ پابندی عمر بن عبد العزیز کی حکومت تک باقی رہی ہے، لیکن شیعہ نے اس پابندی کو قبول نہیں کیا جس کی وجہ سے دوسروں کی نسبت شیعہ مکتب، پیغمبر اکرم ﷺ کی احادیث ، فرامین اور سیرت کی حفاظت کرنے میں بہت کامیاب رہا ہے۔ جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے کہ علم تفسیر کے علاوہ علم فقہ میں بھی شیعہ اہل سنت پر مقدم ہیں ۔قرآن مجید کہ جو وحی الٰہی ہے ،کے بعد سب سے پہلا فقہی مجموعہ حضرت امام علی علیہ السلام نے تدوین کیا تھا اور وہ ایک ایسا صحیفہ تھا جس کو آپؑ نے ایک جلد کی شکل میں اپنی تلوار کے ساتھ باندھا ہوتا تھا۔آپؑ سے منقول ہے کہ ہمارے پاس قرآن کے بعد اس صحیفہ کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔اُس صحیفہ میں دیات تک کے مسائل موجود تھے۔(۱۰)

بعض منابع کے مطابق حضرت امام علی علیہ السلام کے بعد سب سے پہلا فقہی مجموعہ ابو رافع نے ''السّنن والاَحکام والقضایا'' کے نام سے تالیف کیا۔ابو رافع امام علی علیہ السلام کا کاتب اور منشی تھا۔(۱۱)ان منابع کے مطابق شیعہ علم فقہ میں بھی دوسرے فرقوں پر مقدم ہیں۔ کتابت حدیث کی ممنوعیت کہ جو تقریباً ایک سو سال تک رہی ہے، اس دوران بہت سے محدثین دنیا سے رخصت ہوگئے تھے جس کی وجہ سے وضعی احادیث کا دروازہ کھل گیا تھا اور اس سے مسلمانوں کا عظیم علمی نقصان ہوا ہے۔ لیکن یہ نقصان زیادہ تر اہل سنت ہی کا ہوا ہے، کیونکہ شیعہ، حکمرانوں کی طرف سے کتابت حدیث پر پابندی، کے پابند نہیں تھے۔اس کے بعد امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہما السلام کے دور میں ان دنوں ائمہ کے مکتب میں ایسے شاگرد پرورش پانے لگے کہ جن میں سے ہر ایک نے بہت زیادہ احادیث حفظ کر لی تھیں۔ بعض نے تیس ہزار اور بعض نے بیس ہزار احادیث۔ان شاگردوں میں محمد بن مسلم، زرارۃ بن اعین اور جابر بن یزید جعفی کا نام قابل ذکر ہے۔(۱۲)

ان احادیث کا مجموعہ بعد میں شیعوں کے اصول "اربع مائۃ" کی صورت میں ظاہر ہوا، جو چار سو اصولوں پر مشتمل تھا۔اصل سے مراد احادیث کا وہ مجوعہ ہے جو راوی نے براہ راست یا ایک واسطے کے ذریعے معصوم سے نقل کیا ہے۔اصول "اربع مائۃ'' ہی شیعوں کی کتب اربعہ کی بنیاد ہیں۔ شیعہ شروع ہی سے ممنوعیت حدیث کی تحریک کے مخالف تھے اور اسے ایک قسم کی گمراہی اور سازش قرار دیتے تھے، لہٰذا وہ کسی بھی وقت اس حکم کے پابند نہیں رہے اور ہر زمانے میں اپنی فقہی اصالت کی حفاظت کرتے رہے۔

اسلامی تمدن اور تحریک ترجمہ

فتوحات کے بعد اسلامی تمدن کا جغرافیا بہت پھیل جانے اور دوسری تہذیبوں کے ساتھ میل جول کی وجہ سے اسلامی تہذیب وتمدن نے جو اثرات قبول کئے ہیں اُن میں سے ایک دوسری زبانوں سے علمی کتابوں کے عربی میں ترجمہ کرنے کی تحریک تھی۔جس کی مختلف علل واسباب ذکر کئے جاتے ہیں۔دوسری زبانوں سے عربی میں ترجمے کا آغاز خالد بن یزید کے زمانے میں ہوا ہے، وہ پہلا شخص تھا جس نے ریاضی کی چند کتابوں کو عربی میں ترجمہ کیا ہے۔ لیکن ترجمے کی باقاعدہ تحریک عباسیوں کے زمانے میں شروع ہوئی ہے۔جس میں فلسفہ، طب، ریاضی، نجوم حتیٰ اُمور مملکت کے بارے میں متعدد کتابوں کے ترجمے ہوئے ہیں۔

یہ تحریک مامون عباسی کے دور میں اپنے عروج کو پہنچ گئی تھی۔اُس نے ''بیت الحکمہ '' کے نام سے ایک مرکز بنایا تھا اور بہت سے لوگوں کو دنیا کے مختلف ممالک کی طرف بھیجا تاکہ وہ مختلف علوم وفنون کی کتابیں تلاش کرکے لائیں اور اُن کا عربی میں ترجمہ کیا جائے۔عباسی خلفا خصوصاً مامون کی تشویق پر ضرورت سے زیادہ کتابیں ترجمہ کی گئیں۔مامون ترجمہ کرنے والوں کو کتاب کے ہم وزن سونا اُجرت میں دیتا تھا۔ لہٰذا جو بھی کتاب اسلامی ملک میں لائی جاتی ،اُس کے ترجمے کی ضرورت نہ ہونے کے باوجود اُس کا ترجمہ کردیا جاتا تھا۔

یہ کتابیں اکثر یونان ،روم ،ہندوستان اور ایران سے لائی گئیں تھیں۔ترجمے کی یہ تحریک تقریباً صدی تک جاری رہی۔اس دوران مسلمان اپنی تخلیقات کے بجائے دوسرے کے مترجم بن چکے تھے۔ایک رائے کے مطابق لوگوں کے افکار میں رشد وترقی پیدا ہوچکی تھی اور وہ حقائق جاننا چاہتے تھے۔ عقلی اور فکری مسائل کی یہی پیاس اُنہیں ائمہ اہل بیتؑ کی طرف لے جاسکتی تھی جن کے علم وفضل سے تمام لوگ آگاہ تھے۔لیکن خلفا اس مسئلے سے خائف تھے اور وہ ائمہ اطہار علیہم السلام کے علم وفضل سے عامۃ الناس کو دور رکھنا چاہتے تھے، لہٰذا اس خوف کی وجہ سے اُنہوں نے دوسری زبانوں سے علمی کتابوں خصوصاً فلسفی کتب کے ترجمے کی تشویق کی تاکہ لوگوں کی علمی اور فکری پیاس کا رُخ موڑا جاسکے اور لوگ علم ومعرفت کے بہانے اہل بیت اطہارؑ کی جانب رجوع نہ کریں۔دوسری جانب یہ کام خلفائے بنی عباس کی علم دوستی کا ڈھنڈورا پیٹنے کے لئے بھی انجام پارہا تھا اور ایک تیر سے دو شکار کئے جارہے تھے۔

اسی سیاست کی وجہ سے بنی عباس بہت حد تک لوگوں کو اہل بیت اطہارؑ سے دور رکھنے میں کامیاب ہوگئے تھے۔چونکہ لوگوں کی علمی پیاس اور حقیقت طلبی کی پیاس کو دوسرے علوم وفنون سے بجایا جانے لگا تھا۔ بظاہر اس کام کے دنیائے اسلام پر کچھ مثبت اثرات بھی مرتب ہوئے تھے ،لیکن منفی اثرات بھی کم نہیں تھے۔اس سلسلے میں ائمہ اطہار علیہم السلام کی جانب سے تحریک ترجمہ کہ منفی اثرات کو ختم کرنے کے لئے جو کچھ انجام پایا ہے وہ بہت اہم ہے۔ائمہ اطہارؑ کی ہدایت اور رہنمائی کے سبب شیعہ ان حالات سے متاثر نہیں ہوئے اور اُنہوں نے اہل بیت اطہارؑ کی علمی مرجعیت کا دامن کبھی بھی ہاتھ سے نہیں چھوڑا اور تمام تر علمی کتب کے ترجمے کے باوجود ائمہ معصومینؑ کے علم سے استفادہ کرتے رہے چونکہ اُن کو یقین کامل تھا کہ ان ذوات مقدسہ کے علم کا سرچشمہ علم نبوی اور وحی الٰہی ہے اور یہ علم لدنی کی حامل ہستیاں ہیں۔

لہٰذا ترجمہ شدہ علمی کتابیں ان کے علم کا ہر گز مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ شیعہ ہر علمی مسئلے کے بارے میں ائمہ اطہارؑ سے سوالات پوچھتے تھے اور تمام علمی، عقیدتی، فقہی اور سیاسی واجتماعی مسائل کے حل کے لئے انہی ہستیوں کی طرف رجوع کرتے تھے، انہی سوالات کی برکت سے ائمہ اطہارؑ کی احادیث نے گمراہ کن افکار کا راستہ روکا اور تحریک ترجمہ کی وجہ سے پیدا ہونے والے شبہات وسوالات کے منفی اثرات سے اسلامی معاشرے کو نہ فقط بچایا بلکہ اُن کے گمراہ عقائد و نظریات کا مقابلہ بھی کیا۔ لیکن یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ ائمہ معصومین علیہم السلام، علم کے مخالف نہیں تھے، یعنی جو کچھ ترجمے کے ذریعے باہر سے وراد کیا جارہا تھا وہ ان سب چیزوں کے مخالف نہیں تھے، بطور مثال ایک روایت کے مطابق امام جعفر صادق علیہ السلام نے "ارسطاطالیس" کی تعریف کی ہے اور اُسے موحّد قرار دیا ہے۔ یہ بات توحید مفضل کی حدیث کے آخر میں نقل ہوئی ہے۔

یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ ائمہ اطہار علیہم السلام زمین پر حجت خدا تھے اور معاشرے کی ہدایت کی ذمہ داری اُن کے دوش مبارک پر تھی۔ بہت سے موقعوں پر اُنہوں نے لوگوں حتیٰ حُکام وقت کی ہدایت کا فریضہ انجام دیا ہے اور تمام گمراہ عقائد اور توحید کے خلاف نظریات کی اُنہوں نے نفی فرمائی ہے اور لوگوں کو ان گمراہ کن نظریات سے بچانے کی سعی کی ہے۔ تحریک ترجمہ بھی اُنہوں نے اپنے اسی فریضے پر عمل کیا ہے اور ترجمے کے منفی اثرات سے اسلامی معاشرے کو محفوظ رکھا ہے۔ اسلامی معاشرے کو افراط و تفریط سے بچانے کے لئے ائمہ اطہارؑ نے جو اقدامات کئے ہیں، اُن کی ایک مثال مکتب اعتزال کا مقابلہ تھا۔

معتزلہ عقل کو حد سے زیادہ اہمیت دیتے تھے اور ہر چیز کا معیار وہ عقل کو قرار دیتے تھے۔ اس دوران یونانی فلسفے نے بھی مکتب اعتزال کی بہت زیادہ حوصلہ افزائی کی ہے، لیکن اس کے مقابلے میں ائمہ طاہرینؑ کی سعی تھی کہ وہ مسلمانوں کو محدود عقل پر ضرورت سے زیادہ بھروسہ کرنے سے منع کریں۔ اس دوران جو افکار و نظریات بیرونی دنیا سے اسلامی معاشروں میں داخل ہو رہے تھے وہ مکتب اعتزال کو رائج کرنے میں بہت زیادہ ممد و معاون ثابت ہو رہے تھے۔ یہاں تک کہ خلیفہ مامون خود مکتب اعتزال کے افکار اپنا چکا تھا۔ عقل پر ضرورت سے زیادہ بھروسہ کرنے کے سلسلے میں معتزلہ کے افراطی رویئے کے مقابلے میں اہل حدیث اُٹھ کھڑے ہوئے تھے جو مسائل کو سمجھنے میں عقل کی مکمل نفی کر رہے تھے اور فقط نقل پر بھروسہ کرنے کو اہمیت دیتے تھے۔ یہ رویہ تفریط پر مبنی تھا۔ ائمہ طاہرینؑ نے اس دوران افراط و تفریط پر

چلنے والے ان دونوں گروہوں کی نفی اور اُنہیں راہ اعتدال اختیار کرنے تلقین کرتے ہوئے اسلامی معاشرے کو ایک بڑی گمراہی سے بچایا۔

اس زمانے میں معتزلہ کے علاوہ کچھ لوگ زندیق اور دہری ناموں کے ساتھ عقیدتی گمراہی پھیلانے لگے تھے۔ امام باقر اور امام جعفر صادق علیہما السلام نے ان دونوں کے ساتھ بھی طولانی مناظرے کئے جو ہماری علمی تاریخ میں ثبت ہیں۔ اس زمانے میں ایک انہی گمراہ گروہوں نے دینی عقائد ومعارف کے سلسلے میں التقاط گری کی روش پر عمل کرتے ہوئے اسلامی عقائد کو خراب کرنے کی سازش شروع کردی تھی یعنی؛دین کے بعض عقائد کو قبول کرکے اور بعض دوسرے عقائد کی نفی کرکے ایک نئے مذہب کی بنیاد رکھنی شروع کردی، دوسرے الفاظ میں جو کچھ دین میں سے اُن کا من پسند تھا اُسے لے لیا اور جو کچھ اُن کو پسند نہیں تھا اُسے چھوڑ دیا جاتا تھا۔

اسی طرح کچھ من پسند عقائد ایک دین ومذہب اُٹھائے جاتے اور کچھ دین اسلام سے لے لیا جاتا۔اسے فارسی اور عربی اصطلاح میں التقاط گری کہا جاتا ہے جو آج بھی بعض روشن خیال گروہوں میں موجود ہے۔ یہ چیز اسلامی تہذیب وتمدن کو خراب کرنے میں بہت بڑا کردار ادا کرسکتی ہے اور اس سے اسلامی عقائد کا چہرہ بگڑ سکتا ہے۔ اس چیز کے خلاف ائمہ اہل بیت علیہم السلام نے بہت زیادہ جہاد کیا اور علمی مناظرات کے ذریعے ایسے گروہوں کو شکست دیکر اُن کی اسلامی معاشرے میں حوصلہ شکنی کی اور اسلامی معاشرے کو اس قسم کے خطرات سے محفوظ رکھا۔یہ کام فقط ائمہ اہل بیتؑ ہی کر سکتے تھے چونکہ یونانی فلسفے اور دوسرے عقائد کے ترجمے کی وجہ سے بہت سے علمی مغالطات پیدا ہو رہے تھے جو نوخیز اسلامی تہذیب کے لئے بہت سخت خطرہ بن چکے تھے۔ خلفائے بنی عباس تو اس زعم میں مبتلا تھے کہ ہم علم وادب کی خدمت کررہے ہیں، لیکن اُنہیں معلوم نہیں تھا کہ اُن کے اس عمل کی وجہ سے مسلمانوں کس کس قسم کے شکوک وشبہات پیدا ہورہے ہیں اور دینی عقائد کن خطرات سے دوچار ہوچکے ہیں۔یہ فقط اہل بیت اطہارؑ کا علم وفضل ہی تھا جو اسلامی معاشروں کو اس قسم کے شبہات سے بچاسکتا تھا۔

چنانچہ مامون عباسی کے دور میں امام رضا علیہ السلام نے مرو اور خراسان میں بہت سے ایسے ہی زندیق اور دہریے گروہوں کے ساتھ علمی مناظرات کرکے اُن کے پیدا کئے ہوئے شکوک وشبہات اور مغالطات کا ازالہ کیا۔ یہ درست ہے کہ یہ مناظرات مامون عباسی منعقد کراتا تھا، لیکن اس سے وہ اپنے سیاسی مفادات حاصل کرنا چاہتا تھا۔ایک تو وہ اس طرح کے مناظرات کے ذریعے لوگوں کو مشغول رکھنا چاہتا

تھا تاکہ وہ اس کی اسلامی مملکت کے بارے میں سیاسی خامیوں کی طرف متوجہ نہ ہو سکیں۔ دوسرا وہ ان مناظرات کے ذریعے خود کو علم وادب کا مروّج ظاہر کرنا چاہتا تھا۔ ان مناظرات میں فلاسفہ، زنادقہ، صابئین اور عیسائی گروہ شرکت کرتے تھے، جن کی وجہ سے مامون کو یہ اُمید بھی ہوتی تھی کہ کسی موقع پر امام رضا علیہ السلام سے ان گروہوں کے مقابلے میں علمی کمزوری ظاہر ہو جائے تو بھی وہ اس سے سیاسی مفاد حاصل کرسکے۔ البتہ ائمہ اطہارؑ کے یہ علمی مناظرات تاریخ مسلمین کا ایک عظیم سرمایہ ہیں۔ لیکن تعصب اور اہل بیت دشمنی کی وجہ سے یہ چیزیں تاریخ کے صفحات میں دب کر رہ گئی ہیں۔

ایک اور اہم نکتہ یہ کہ رحلت رسول اللہ ﷺ کے بعد بہت سے اہل کتاب (یہود ونصاریٰ) مدینہ آنے شروع ہو گئے تھے تاکہ مسلمانوں کے ساتھ مناظرے کریں، لیکن خلفائے اول اور دوم اس قسم کے مناظرات پر قادر نہیں تھے لہٰذا ایسے موقعوں پر جب حضرت امام علی علیہ السلام کو خبر ہوتی اور وہ دین اسلام کو علمی میدان میں خطرات میں دیکھتے تو ان مناظرات میں حاضر ہو کر اہل کتاب کے شبہات وسوالات کا جواب دیتے۔ بعض اوقات خود خلفا حضرت امام علی علیہ السلام کو بلاتے تھے کہ وہ ان کی مشکل کشائی کریں۔ بہت سی کتب حدیث میں آیا ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے: ''أقضاکم علیؑ'' یعنی؛ تم میں قضاوت کے لحاظ سے سب سے زیادہ توانا علی ہیں۔ (۱۳) چونکہ قاضی کو فقیہ بھی ہونا چاہیے لہٰذا اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت امام علی علیہ السلام سب سے بڑے فقیہ بھی تھے۔ حضرت امام علی علیہ السلام نہ فقط علمی وفقہی مسائل میں بلکہ کسی تہذیب وتمدن کی تشکیل میں ضروری تمام دوسرے شعبوں میں بھی سرفہرست ہیں۔

عسکری اور فوجی مسائل ہوں یا سیاسی مسائل ان بھی حضرت امام علی علیہ السلام او ردوسرے ائمہ طاہرینؑ نے اقتدار سے باہر رہ کر بھی اسلامی مملکت کی بے مثال خدمات انجام دی ہیں۔ خلفائے وقت کو جب بھی اسلامی معاشرے کی بنیادیں ہلتی ہوئی نظر آئی ہیں، اُنہوں نے اہل بیت اطہارؑ کو اپنی تمام تر دشمنی کے باوجود مدد کے لئے پکارا ہے۔ چنانچہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے زمانے کا واقعہ ہے کہ جب امام علیہ السلام حکومتی زندان میں تھے، ملک میں قحط شروع ہوگیا اور بارشیں بند ہو گئیں۔ مسلمان جس قدر نماز استسقاء پڑھتے تھے بارش نہیں ہوتی تھی۔ اس وقت ایک عیسائی پادری میدان میں اُترا اور اس نے اسلامی معاشرے کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا اور مسلمانوں کے اعتقادات کی بنیادیں کمزور کرنی شروع کردیں۔ یہ پادری میدان میں آیا اور اس کی دعا سے بارش شروع ہو گئی۔

اس موقعہ پر خلیفہ وقت نے مجبوراًامام حسن عسکری علیہ السلام سے مدد طلب کی۔امام علیہ السلام کو قید خانے سے آزاد کیا گیا۔امام علیہ السلام نے حکم دیا وہ عیسائی دوبارہ بارش کی دعا کے لئے اکٹھے ہوں۔مقررہ وقت پر مسلمان اور عیسائی سب اکٹھے ہوئے۔اُس عیسائی پادری نے جب دعا کے لئے ہاتھ بلند کئے تو امام علیہ السلام نے اُس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اس کے ہاتھ میں موجود ایک ہڈی لے لی اور فرمایا: یہ ایک نبی خدا (علیہ السلام) کی ہڈی ہے اور جب بھی کسی نبی خدا کی ہڈی آسمان کے نیچے ظاہر ہوتی ہے تو بارش شروع ہو جاتی ہے۔یہ شخص اسی ہڈی سے فائدہ اُٹھا رہا تھا اور اس کی برکت سے بارش برس رہی تھی۔اس طرح امام علیہ السلام نے اسلامی معاشرے کو ایک بڑے شبہے سے نجات دلائی اور اسلامی معاشرے کی بنیادوں کو محفوظ کر دیا۔(۱۴)

ائمہ اطہار علیہم السلام کے وسیلے سے اسلامی معاشرے کو علمی اور دینی شبہات سے بچانے کا ایک اور مشہور واقعہ وہ ہے۔جو اسحاق کندی کے ساتھ منسوب ہے۔مورخین کا بیان ہے کہ عراق کے ایک عظیم فلسفی اسحاق کندی کو یہ خبط سوار ہوا کہ قرآن مجید میں تناقض ثابت کرے اور یہ بتادے کہ قرآن مجید کی ایک آیت دوسری آیت سے، اور ایک مضمون دوسرے مضمون سے ٹکراتا ہے اس نے اس مقصد کی تکمیل کے لیے "تناقضات القرآن" نام کی ایک کتاب لکھنا شروع کی اور اس درجہ منہمک ہو گیا کہ لوگوں سے ملنا جلنا اور کہیں آنا جانا سب ترک کر دیا حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے اس کے خبط کو دور کرنے کا ارادہ فرمایا، آپ کا خیال تھا کہ اس پر کوئی ایسا اعتراض کر دیا جائے کہ جس کا وہ جواب نہ دے سے اور مجبوراً اپنے ارادہ سے باز آئے۔

اتفاقاً ایک دن آپ کی خدمت میں اس کا ایک شاگرد حاضر ہوا، حضرت نے اس سے فرمایا کہ تم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جو اسحاق کندی کو "تناقض القرآن" لکھنے سے باز رکھے۔اس نے عرض کی مولا! میں اس کا شاگرد ہوں، بھلا اس کے سامنے لب کشائی کر سکتا ہوں، آپ نے فرمایا کہ اچھا یہ تو کر سکتے ہو کہ جو میں کہوں وہ اس تک پہنچا دو، اس نے کہا کر سکتا ہوں، حضرت نے فرمایا کہ پہلے تو تم اس سے موانست پیدا کرو، اور اس پر اعتبار جماؤ جب وہ تم سے مانوس ہو جائے اور تمہاری بات توجہ سے سننے لگے تو اس سے کہنا کہ مجھے ایک شبہ پیدا ہو گیا ہے آپ اس کو دور فرمادیں، جب وہ کہے کہ بیان کرو تو کہنا کہ :

"ان اتاك هذاالمتكلم بهذاالقرآن هل يجوزمراده بماتكلم منه عن المعاني التي قد ظننتها انك ذهبتها اليها"

یعنی: اگراس کتاب یعنی قرآن کامالک تمہارے پاس اسے لائے توکیاہو سکتاہے کہ اس کلام سے جو مطلب اس کاہو، وہ تمہارے سمجھے ہوئے معانی و مطالب کے خلاف ہو۔

جب وہ تمہارا یہ اعتراض سنے گا توچونکہ ذہین آدمی ہے فوراکہے گا کہ بے شک ایساہو سکتاہے جب وہ یہ کہے توتم اس سے کہناکہ پھر کتاب "تناقض القرآن" لکھنے سے کیافائدہ؟ کیونکہ تم اس کے جو معنی سمجھ کراس پراعتراض کررہے ہو، ہو سکتاہے کہ وہ خدائی مقصود کے خلاف ہو، ایسی صورت میں تمہاری محنت ضائع اور برباد ہو جائے گی کیونکہ تناقض توجب ہو سکتاہے کہ تمہارا سمجھا ہوا مطلب صحیح اور مقصود خداوندی کے مطابق ہو اور ایسا یقینی طور پر نہیں تو تناقض کہاں رہا؟

الغرض وہ شاگرد ،اسحاق کندی کے پاس گیا اوراس نے امام کے بتائے ہوئے اصول پر اس سے مذکورہ سوال کیااسحاق کندی یہ اعتراض سن کر حیران رہ گیااور کہنے لگاکہ پھر سوال کودہراؤاس نے پھراعادہ کیا۔اسحاق تھوڑی دیرکے لیے سوچ میں پڑ گیااور کہنے لگاکہ بے شک اس قسم کااحتمال باعتبار لغت اور بلحاظ فکروتدبر ممکن ہے ۔پھراپنے شاگرد کی طرف متوجہ ہواکربولا! میں تمہیں قسم دیتاہوں تم مجھے صحیح صحیح بتاؤکہ تمہیں یہ اعتراض کس نے بتایاہے۔اس نے جواب دیاکہ میرے شفیق استاد یہ میرے ہی ذہن کی پیداوار ہے۔اسحاق نے کہاہر گزنہیں ، یہ تمہارے جیسے شخص کے بس کی چیز نہیں ہے، تم سچ بتاؤکہ تمہیں کس نے بتایااوراس اعتراض کی طرف کس نے رہنمائی کی ہے۔ شاگرد نے کہاکہ سچ تو یہ ہے کہ مجھے حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے فرمایاتھا اور میں نے انھیں کے بتائے ہوئے اصول پرآپ سے سوال کیاہے۔اسحاق کندی بولا: اب تم نے سچ کہاہے، ایسے اعتراضات اورایسی اہم باتیں خاندان رسالت ہی سے برآمد ہو سکتی ہیں۔

"ثم انه دعا بالنا رواحرق جميع ماكان الفه"

پھراس نے آگ منگائی اورکتاب تناقض القرآن کاسارامسودہ نذرآتش کردیا۔(۱۵)

ان تاریخی شواہد سے واضح ہوتاہے کہ اگراسلامی معاشرے کو علمی لحاظ سے حضرت علی اور دوسرے ائمہ طاہرین علیہم السلام جیسی مضبوط ہستیوں کی پشت پناہی حاصل نہ ہوتی تو دین اسلام بہت سی مشکلات اور

شبہات کا شکار ہو جاتا اور اسلامی تہذیب وتمدن کی بنیادیں شروع سے ہی کمزور ہو جاتیں، لیکن ائمہ طاہرینؑ کے وجود کی برکت سے مسلمان اسلامی تہذیب وتمدن کی مضبوط بنیادیں بنانے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ چونکہ یہ بات سب پر واضح ہے کہ علمی بنیادوں کے بغیر کوئی بھی تہذیب وتمدن عرصہ دراز تک قائم نہیں رہ سکتا۔

اخلاق اور عرفان

علم اخلاق اور عرفان جیسے شعبوں میں بھی دیکھیں تو شیعہ معارف اور علوم کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر نظر آتا ہے۔ائمہ اطہار علیہم السلام کی احادیث اور روایات میں اخلاقی اور عرفانی احادیث کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے۔ لیکن ائمہ طاہرینؑ نے ہمیشہ مخاطبین کی علمی اور فکری سطح کے مطابق احادیث بیان فرمائی ہیں۔ بعض فرامین ائمہؑ عام لوگوں کی سطح علمی وفکری کے مطابق ہیں اور بعض احادیث خواص اور گہرے ادراک کے حامل اصحاب کے سامنے بیان فرمائی گئی ہیں۔مثلاً جو احادیث امام علی علیہ السلام نے کمیل کو مخاطب کرکے یا امام جعفر صادق علیہ السلام نے عنوان بصری کو مخاطب کرکے بیان فرمائی ہیں اُن کی علمی سطح بہت بلند ہے۔

یہی احادیث عرفان شیعہ کی بنیاد بنتی ہیں۔ائمہ طاہرین علیہم السلام کے شاگردوں نے بھی ائمہ طاہرینؑ کے فرامین کی روشنی میں بہت سی کتب اخلاق تالیف کی ہیں۔ نجاشی نے اپنی فہرست میں بہت سی ایسی کتابوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔اگر کوئی محقق فہرست نجاشی، فہرست شیخ منتجب الدین، ابن ندیم، فہرست شیخ طوسی اور معالم العلماء جیسی کتاب فہرست کی طرف رجوع کرے تو اُسے پتا چل جائے گا کہ شیعوں نے اس شعبے میں کس قدر کام کیا ہے اور اسلامی تہذیب وتمدن کو اخلاقی اور عرفانی حوالے سے کس قدر بے نیاز کر دیا ہے۔ اسی طرح بعض شیعہ فلاسفہ اور عرفاء نے بھی علم اخلاق وعرفان میں حیرت انگیز کتابیں تحریر کی ہیں۔ جن میں ابن مسکویہ کی ''طہارۃ الاخلاق'' قابل ذکر ہے جو علم اخلاق کے مشہور ترین منابع میں شمار ہوتی ہے۔ خواجہ نصیر الدین طوسی کی کتاب ''اخلاق ناصری" کا مقام بھی سب پر روشن ہے۔اس کتاب کے بارے میں ڈاکٹر آغا افتخار حسین لکھتے ہیں:

> ''اخلاقیات میں طوسی کی کتاب ''اخلاق ناصری" ارسطو کی ''اخلاقیات'' کے بعد سب سے اہم کتاب تسلیم کی جاتی ہے''۔(۱۶)

اصطلاحاً اخلاق کو ''حکمت عملی'' اور فلسفے کو ''حکمت نظری'' کہا جاتا ہے، شیعہ اہل بیت اطہارؑ سے میراث میں ملنے والی انہی احادیث کی وجہ سے عملی طور پر مہذّب تھے۔تاریخی اعتبار سے دیکھا جائے تو شیعوں کا پہلا اخلاقی دستور العمل امام علی علیہ السلام کا وہی مکتوب ہے جو آپؑ نے جنگ صفین سے واپسی پر ''حاضرین'' کے مقام پر اپنے فرزند ارجمند حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے نام لکھا تھا۔(نہج البلاغہ ،مکتوب نمبر ۳۱، صبحی صالح) اسے تاریخ اسلام میں پہلے اخلاقی رسالہ کہا جاتا ہے۔اس مکتوب میں امیر المؤمنین علیہ السلام نے علم اخلاق کے تمام ابواب اور سیر وسلوک کے تمام طریقوں کو بیان فرمایا ہے اور ملکات فاضلہ کی نشاندہی کی ہے۔

اسلامی تہذیب وثقافت میں شاہکار علمی وادبی کتابوں میں سے ایک نہج البلاغہ ہے جو امام علی علیہ السلام کے خطبات، مکتوبات اور کلمات قصار کا مجموعہ ہے جو مسلمانوں کی علمی وادبی تاریخ کا ایک اہم باب ہے۔یہ کتاب معروف شیعہ عالم سید رضیؒ نے جمع کی ہے جس میں مولا علی علیہ السلام کے فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے شاہکار کلام کو جمع کیا گیا ہے۔

دعاومناجات کے باب میں بھی امام زین العابدین علیہ السلام کی ''صحیفہ کاملہ'' ایک ایسی شاہکار کتاب ہے جس کی وجہ سے اسلامی تہذیب وتمدن جس قدر فخر کرے کم ہے چونکہ دعااور مناجات کے سلسلے میں اس سے اہم اور بڑا مجموعہ کہیں اور نہیں ملتا۔کتاب صحیفہ کاملہ آپؑ کی دعاؤں کا مجموعہ ہے اس میں بے شمار علوم وفنون کے جوہر موجوہیں یہ پہلی صدی کی تصنیف ہے۔(۱۷) اسے علماء اسلام نے زبور آل محمد اور انجیل اہلبیت کہا ہے (ینابیع المودۃ ص ۴۹۹، فہرست کتب خانہ طہران ص ۳۶)۔اوراس کی فصاحت وبلاغت معانی کو دیکھ کراسے کتب سماویہ اور صحف الٰہیہ وعرشیہ کادرجہ دیا گیاہے (ریاض السالکین ص ۱) اس کی چالیس شرحیں ہیں جن میں ریاض السالکین کو فوقیت حاصل ہے۔

اس کے علاوہ شیعہ علمانے اخلاقیات اور عرفانیات کے باب میں اہم آثار چھوڑے ہیں اُن میں اصول کافی ثقۃ الاسلام کلینی، تحف العقول ابن شعبہ حرّانی، الخصال شیخ صدوق، مصابیح القلوب ابو علی بیہقی شیعی، الاداب الدّینیّہ شیخ طبرسی، مکارم الاخلاق شیخ ابو منصور طبرسی، ارشاد القلوب دیلمی، عیون الحکم والمواعظ شیخ علی بن محمّد لیثی واسطی، تنبیہ الخواطر شیخ ابوالحسن ورّام، وسائل الشّیعہ شیخ حرّ عاملی (کتاب العشرہ)، بحارالانوار مجلسی (جلد ۶۷، ۶۹) وسراج الشّیعہ فی آداب الشّریعہ شیخ عبداللہ مامقانی ایسی اخلاقی کتابیں ہیں جو ائمہ اطہار ہی کی پیروی میں لکھی گئی ہیں۔(۱۸)

یہ انہی کتب کا اثر تھا کہ جہاں جہاں شیعہ نے اپنے اسلاف کے علوم و معارف سے کی حفاظت کی ہے اور علم سے تمسک رکھا ہے، اُن پر اسلامی اخلاق و عرفان حاکم رہا ہے۔ بعض تاریخی شواہد سے پتا چلتا ہے کہ شیعہ اپنے اپنے علاقوں میں انہی کتابوں کی وجہ سے پابند شریعت رہے ہیں اور اخلاقی اعتبار سے بھی انتہائی مہذب اور دوسروں سے ممتاز زندگی گذارتے رہے ہیں۔ قزوینی اپنی کتاب آثار البلاد واخبار العباد میں لکھتا ہے کہ مدائن کے لوگ شیعہ امامیہ ہیں ان کے شہر میں عورتیں دن کے وقت بازاروں میں نہیں آتیں۔

فلسفہ و کلام

علم کلام کا تعلق اسلامی عقائد سے ہے جس کی تعریف میں کہا جاتا ہے؛ یہ ایسا علم ہے جس کے ذریعے اسلام کے مختلف پہلوؤں کا دفاع کیا جاتا ہے۔ یعنی اس کے ذریعے انسان میں اسلامی اعتقادات کا دفاع کرنے اور اسلام کے بارے میں شبہات کا جواب دینے کی قدرت پیدا ہو جاتی ہے۔ علم کلام کا تعلق اعتقادات (معرفت خدا، نبوت وغیرہ) سے ہے، اس لئے ائمہ اطہار علیہم السلام کے زمانے میں شیعوں کو اس لحاظ سے کوئی مشکل نہیں تھی چونکہ وہ اپنے اعتقادی مسائل براہ راست ائمہ اطہارؑ سے سیکھ لیتے تھے یا جن علاقوں میں ائمہؑ نہیں تھے وہاں ائمہ اطہارؑ کے شاگرد شیعوں کے کلامی واعتقادی سوالات کے جواب دیتے تھے۔ گمراہ کن عقائد کا مقابلہ کرنے اور مختلف مذاہب اور ادیان کے پیروکاروں کے ساتھ بحث مباحثہ کرنے کے سلسلے میں بھی ائمہ اطہارؑ اور اُن کے پرورش یافتہ شاگرد پیش قدم تھے۔ ائمہ اطہارؑ نے تمام مسالک اور مذاہب کے ساتھ جو مناظرات اور علمی مباحثے کئے ہیں وہ تاریخ میں محفوظ ہیں۔ جیسا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کا ابن ابی العوجاء کے ساتھ مناظرہ اور امام رضا علیہ السلام کا مختلف ادیان کے علماء کے ساتھ بحث ومباحثہ قابل ذکر ہے۔ ائمہ اہل بیتؑ اور اُن کے پرورش یافتہ شاگردوں کا یہی علمی کارنامہ ہے کہ جس کی وجہ سے اسلامی معاشرہ گمراہ کن عقائد سے محفوظ رہا ہے۔ (احتجاج طبرسی میں یہ مناظرات دیکھے جاسکتے ہیں)

اسلامی معاشرے کو اعتقادی حوالے سے محفوظ رکھنے کے سلسلے میں ائمہ طاہرینؑ نے بہت زیادہ جدوجہد کی ہے اور اپنے حلقہ درس میں ایسے ایسے شاگرد تیار کئے ہیں جنہوں نے تمام اسلامی علاقوں میں اسلامی اعتقادات کا سخت دفاع کیا ہے۔ اس سلسلے میں ہشام بن حکم وہ معروف شیعہ متکلم ہیں جن کے کلامی مباحث کو تاریخ ہمیشہ یاد رکھے گی۔ یہ روایت مشہور ہے کہ جب ہشام بن حکم جوان تھے، منیٰ میں امام

جعفر صادق علیہ السلام کے حلقہ درس میں حاضر ہوئے تو امام علیہ السلام نے ان کا بہت احترام کیا۔ لوگوں نے امامؑ کی جانب سے ہشام کے احترام کا سبب دریافت کیا تو امام علیہ السلام نے ہشام کے مقام ومرتبے کو مزید واضح کرنے کے لئے فرمایا:

اے ہشام! عمرو بن عبید کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا وہ بیان کرو۔ ہشام نے عرض کی یا ابن رسول اللہ ﷺ میں آپ کے سامنے شرم محسوس کرتا ہوں (کہ اپنی تعریف کروں) امام علیہ السلام نے فرمایا: میں خود تمہیں یہ واقعہ بیان کرنے کا حکم دیتا ہوں۔ تب ہشام نے یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں: میں جب بصرہ گیا تو عمرو بن عبید کے حلقہ درس میں حاضر ہوا۔ وہ کہہ رہے تھے: امام کے وجود کی کوئی ضرورت نہیں۔ درس کے بعد جب شاگرد اپنے اپنے سوالات کر رہے تھے۔ میں نے کہا میں بھی ایک سوال کرنا چاہتا ہوں۔ عمرو بن عبید نے کہا: پوچھو! میں نے کہا: کیا آپ کی آنکھ ہے؟ اُس نے کہا: یہ کیسا سوال ہے؟ میں نے کہا: ہاں یہ بھی ایک سوال ہے۔ اُس نے کہا: ہاں میری آنکھ ہے۔

میں نے کہا: کیا آپ کے کان بھی ہیں؟ اس نے کہا: ہاں۔ میں نے کہا: اُن کے ساتھ کیا کرتے ہو؟ اس نے کہا: سنتا ہوں (اسی طرح ہشام نے بدن کے ایک ایک عضو کے بارے پوچھا۔ جس کے جواب مین عمرو بن عبید مثبت جواب دیتا ہے۔ آخر میں ہشام نے پوچھا: کیا تمہار قلب (دل) بھی ہے یہاں نہیں؟ اس نے کہا: ہاں میرا قلب بھی ہے۔ ہشام نے کہا: اس سے کیا کام انجام دیتے ہو؟ اس نے کہا: کوئی خاص کام انجام نہیں دیتا، لیکن میرے بدن کے تمام کام قلب کے ساتھ ہی وابستہ ہیں۔ اگر قلب نہ ہو تو آنکھ دیکھ نہیں سکتی، کان سن نہیں سکتے اور دوسرے اعضائے بدن کام نہیں کر سکتے۔ قلب اُن کے کاموں کی تصحیح کرتا ہے۔ ہشام نے کہا: پس کیا مملکت بدن کو قلب کی ضرورت ہے، لیکن معاشرے کو امام کی ضرورت نہیں؟ عمرو بن عبید نے کہا: میرے خیال میں تو ہشام بن حکم ہے۔

ہشام بن حکم، ہشام بن سالم اور مؤمن طاق جیسے ائمہ اطہارؑ کے شاگرد علم کلام میں ید طولیٰ رکھتے تھے اور اُنہوں نے اسلامی معاشرے کی بہت زیادہ خدمات انجام دی ہیں اور اسلامی معاشرے کو خطرناک کلامی وعلمی شبہات سے بچایا ہے۔ فہرست نجاشی کے مطابق فقط ہشام بن حکم نے تیس جلدیں کتابیں علم کلام میں لکھی ہیں۔ بنابریں شیعوں کو ائمہ اطہار علیہم السلام کے زمانے میں اعتقادی اور کلامی حوالے سے کوئی مشکل پیش نہیں آئی۔ لیکن غیبت کبریٰ کے بعد شیعوں کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہے لہٰذا علمائے

شیعہ نے اس سلسلے میں اہم اقدامات کرنے ضروری سمجھے۔اس لئے اس دور میں علم کلام میں بہت سی کتابیں لکھی گئیں۔

منجملہ جن لوگوں نے زمانہ غیبت میں اس سلسلے میں پیش قدمی کی ہے وہ آل نوبخت تھے۔نوبختی ایک شیعہ اور ایرانی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ فضل بن شاذان نے بھی اس سلسلے میں کتاب لکھی ہے۔اس کے بعد شیخ مفیدؒ نے علم کلام میں بہت زیادہ کام کیا ہے۔اسی طرح شیخ مفید ہی کے دور میں شیخ طوسی اور سید مرتضیٰ علم الھدیٰ کا دور کلام شیعہ کے عروج کا زمانہ کہلاتا ہے۔یہ لوگ چوتھی صدی ہجری میں گذرے ہیں۔یہ وہ زمانہ جب بغداد میں مذاہب وادیان کے درمیان بحث مباحثوں کا بازار گرم تھا۔انہی شیعہ بزرگوں اور ان کے شاگردوں نے ان دو صدیوں میں علم کلام کی ترویج میں بہت زیادہ کام کئے ہیں۔سید مرتضیٰ علم الھدیٰؒ نے سب سے زیادہ کلامی کتابیں لکھی ہیں۔کلامی حوالے سے اسلامی تہذیب وتمدن کو شیعہ متکلمین نے بہت زیادہ رونق بخشی ہے۔علامہ حلیؒ جو آٹھویں صدی میں گذرے ہیں، سب سے بڑے شیعہ متکلم سمجھے جاتے ہیں،اُنہوں نے تقریباً ۲۴ کتابیں علم کلام میں لکھی ہیں۔

اسی طرح خواجہ نصیرالدین طوسیؒ نے بھی کلام اور فلسفہ میں قابل قدر خدمات انجام دی ہیں۔جن کے کام دوست ودشمن نے سراہا ہے اور اُن کی اسلامی تہذیب میں خدمات کا اعتراف کیا ہے۔ نصیرالدین طوسی کا شمار اپنے زمانے کے علم وادب کے بزرگ دانشوروں میں ہوتا ہے۔سلطان الحکماء خواجہ نصیرالدین اپنے بچپن اور جوانی کے سالوں میں تحصیل علم اور کسب معارف کے لئے بے حد ذوق وشوق کااظہار کرتے تھے۔انھوں نے اپنی جوانی میں مختلف علوم میں مثلاً حکمت، ریاضی اور علم نجوم میں بڑی شہرت حاصل کرلی تھی۔ ابتدائی علوم کی تکمیل کے کچھ ہی عرصے کے بعداپنے مطالعات کی تکمیل اوراپنی معلومات کی توسیع کے لئے نیشاپور چلے گئے۔

نیشاپور خراسان کے چار بڑے شہروں (مرو، بلخ، ہراشا، نیشاپور) میں سے ایک شہر تھااور سالہاسال شاہان ظاہریان وغیرہ کا پایہ تخت رہ چکا تھا۔ عرصہ دراز سے علم ودانش کا مرکز تھااور اپنے دامن میں بہت سے علمائے ایران کی پرورش کر چکا تھا۔ اگرچہ وہ کئی بار حملوں کا شکار بھی ہوا خصوصاً قبیلہ ''غز'' جس نے بڑی تباہی مچائی تھی اور شہر کے اکثر مدارس، مساجد، کتاب خانے ویران ہوگئے تھے پھر بھی مغلوں کے حملہ سے قبل تک نیشاپور علمی اہمیت کا حامل تھامگر اس وحشی قوم کے حملہ سے کھنڈرات میں بدل گیا۔ جس وقت مغلوں نے نیشاپورپر حملہ کیاتولوگوں کے قتل عام سے پہلے خواجہ شہر سے بھاگ نکلنے میں

کامیاب ہوگئے اور بیابانوں میں مارے مارے پھرتے رہے ۔جب اسماعیلیان کوخواجہ کی اس بے سروسامانی کاعلم ہوا توانھوں نے خواجہ کی جستجو کی اورانہیں اپنے پاس لے گئے ۔ ان کے علم ودانش اورفضیلت کی وجہ سے اسماعیلیان، خواجہ کی بے حد عزت وتکریم کرتے تھے، خواجہ وہاں جنگ وجدال کے ہنگاموں سے بے فکر اورآسودہ خاطر ہو کر مطالعہ اور تالیف وترجمہ میں سر گرم ہوگئے۔

مغلوں کا حملہ

۶۵۱ ہجری میں مغلوں کے شہنشاہ منکوقآن نے اپنے چھوٹے بھائی ہلاکو کوایک بھاری فوج دے کر بھیجاکہ اسماعیلیان کے قلعوں پر قبضہ کرلے۔ اسماعیلیان کے بادشاہ خورشاہ نے خواجہ نصیرالدین سے اس معاملے میں صلاح مشورہ کیاکہ ہلاکوخان کے بارے میں کیاکیاجائے؟ خواجہ نے کہاکہ اس طوفان کے سامنے کھڑا ہونااوراس کامقابلہ کرنالاحاصل ہے،اس سے لوگوں کو قتل عام ہوگا تمام تہذیبی وثقافتی ثمرات نذرآتش ہوجائیں گے اور بہت تباہی اوربربادی ہوگی۔

خورشاہ نے خواجہ نصیرالدین کی رائے کوپسندکیااوراس نے ایک وفدتیارکیاجس میں اس کابیٹا، بھائی چندایک دانشور اورسردارشامل تھے اوراس وفدکوبہت سے قیمتی تحائف دے ہلاکوکے پاس بھیجا۔ وفدکارئیس خواجہ نصیرالدین تھا۔ خواجہ نے ہلاکوکے سامنے اس قدر سنجیدہ اور محکم باتیں کیں کہ ہلاکوکی تیزاورسرکش طبیعت کورام کرلیااوراس طرح اس نے اپنی عقلمندی سے ایک ہولناک فتنے کا سدباب کر دیا۔ خورشاہ قلعہ سے باہرآیااورہلاکوکے سامنے زمین کوبوسہ دیا۔ ہلاکو نے جس کوخواجہ کی دانش عقل مندی اور فہم وفراست کی خبر تھی اس کی عزت افزائی کی۔

عظیم الشان لائبریری کی تاسیس

خواجہ نصیرالدین نے اپنی تمام کتابوں اور علمی اوزاروں کوتاخت وتاراج اورنذرآتش ہونے سے بچالیا تھا۔ چنانچہ انھوں نے ان ساری چیزوں کواکٹھاکیااورمراغہ میں ایک لائبریری قائم کی جس میں ۴۰۰۰۰۰ کتابیں موجود تھیں۔ہلاکو نے مراغہ میں ایک عظیم الشان رصدگاہ تعمیر کرنے کاارادہ کیا اوراس کام کے لئے اس نے جمال الدین زبیدی بخاری کو بلایا تھا، مگر بخاری نے اسے یہ جواب دیا تھاکہ یہ

کام صرف خواجہ نصیرالدین ہی کر سکتا ہے جو اس وقت اسماعیلیان کے قلعے میں مقیم ہے۔ لہٰذا ہلاکو نے اس کام پر خواجہ نصیرالدین طوسی کو مامور کیا۔

رصدگاہ کی تأسیس

خواجہ نصیر نے مراغہ میں اس موقع کو غنیمت جانا اور ہلاکو کو ترغیب دی کہ رصدگاہ مراغہ (تبریز) میں تعمیر کی جائے اور ساتھ ہی وہ خود اپنے مرغوب خاطر کام میں مصروف ہو جائے چنانچہ خواجہ نصیرالدین علم ودانش کے دامن کو وسیع تر کرنے کے لئے ہلاکو کی نظر موافقت کو دیکھتے ہوئے کچھ مشہور اور نامور منجمین کی مدد سے مراغہ کے شہر میں رصدگاہ کی بنیاد ڈالنے کی سرگرمیوں میں مصروف عمل ہوگئے اور اس کے لئے آلات اور ضروری ساز وسامان فراہم کرنے لگے۔

خواجہ دانشوروں کی کتابوں فضلاء اور متقدمین کے آثار کو حتیٰ کہ اپنے معاصرین کی تصنیفات کو بھی بڑی توجہ اور شوق سے پڑھتے تھے وہ دنیوی لذات کو بلائے طاق رکھ کر علماء کی کتابوں پر غور وفکر کرتے تھے اور ان کا گہرا مطالعہ فرماتے تھے اور ان میں روحانی لذت اور ذہنی سرور وکیف محسوس کرتے تھے جیسا کہ فرماتے ہیں:

لذت دنیوی همه هیچ است نزد من

در خاطر از تغیر آن هیچ ترس نیست

روز تنعم وشب عیش وطرب مرا

غیر از شب مطالعه و روز درس نیست

یعنی: "میرے نزدیک دنیا کی تمام لذتیں بے وقعت ہیں اور میرے دل میں دنیاوی نعمتوں کے چلے جانے کا کوئی خوف وخطر نہیں ہے۔ میرے لیے تو دن کے مزے اور رات کا طرب، رات کے مطالعہ اور دن کے درس وتدریس میں پوشیدہ ہے۔"

اپنی اسی ذاتی اور فطری صفت کی بناء پر بہت تھوڑی مدت میں ایک ایسی لائبریری تیار کرلی جس میں ۴۰۰۰۰۰ عمدہ کتابیں موجود تھیں۔ وہ ہمیشہ اس کتب خانے میں تحقیقی اور مطالعاتی کاموں میں مشغول رہتے اور تشنگان علم وادب اپنی پیاس بجھاتے۔

خواجہ نصیرالدین طوسی کے مصائب

خواجہ اُن علمی شخصیات میں سے ہیں جنہوں نے علم و معرفت کے راستے میں بے شمار مصائب و مشکلات برداشت کی ہیں۔ خواجہ مسلمانوں کی علمی دنیا میں محقق کے نام سے مشہور تھے اور دوست و دشمن اُن کے علم کا معترف ہے لیکن اس کے باوجود اس نابغۂ دہر شخصیت کو اپنوں ہی کی جانب سے بے پناہ مصیبتیں دیکھنی پڑیں۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر آغا افتخار حسین سلطنت بغداد کے واقعات کے ضمن میں لکھتے ہیں:

"پھر ایک ایسا دور بھی آیا جب اسی بغداد میں ایک ایسا معاشرہ وجود میں آیا جس میں ایک حاکم نے ایک جید عالم اور سائنس دان کو معقول وجہ کے بغیر قید کر دیا اور پندرہ سال تک یہ دانشور قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرتا رہا۔ یہ عظیم انسان محقق خواجہ نصیرالدین طوسیؒ تھا۔۔۔ چودہ سو سال کی تہذیب کی تاریخ میں مسلمانوں میں متعدد عالم، دانشور اور سائنس دان پیدا ہوئے ہیں لیکن محقق کا خطاب مسلمانوں نے صرف دو ہی فضلا کو دیا۔ پہلے محقق طوسی کو اس کے بعد محقق دوانی کو"۔ (۱۹)

ڈاکٹر آغا افتخار حسین محقق طوسی کی علمی خدمات کے بارے میں لکھتے ہیں:

"اس طرح پندرہ سال تک یہ عظیم محقق زندان میں اسیر رہا۔ اس اسیری کے دوران طوسی نے بوعلی سینا کی کی مشہور تصنیف ''اشارات'' کی شرح لکھی جو یورپ کی یونیورسٹیوں میں بھی مقبول ہوئی۔ اس شرح کے خاتمے پر طوسی نے اپنی اسیری کے مصائب کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ زمانۂ قدیم میں اہل علم پر جو مظالم کئے گئے وہ میں نے خود نہیں دیکھے لیکن آلام و مصائب کے جو پہاڑ مجھ پر توڑے جا رہے ہیں وہ قیاس انسانی سے باہر ہیں"۔

جب ہلاکو خان کے حکم سے مراغہ (تبریز) میں ایک رصد گاہ قائم کی گئی جس کا انتظام محقق طوسی کے سپرد کیا گیا، اور اس طرح علم ہیئت میں تحقیق کے ایک ایسے دور کی ابتدا ہوئی جس کے اثرات صدیوں تک یورپ کے ہیئت دانوں اور ریاضی دانوں کی تحقیقات میں ملتے ہیں۔ مراغہ کی رصد گاہ سائنس کی تاریخ میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔۔۔ یورپ کے ریاضی دانوں اور ماہرین علم ہیئت نے اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ اس رصد گاہ میں اجرام فلکی کے مشاہدے، نیز ریاضی اور اقلیدس کے مسائل حل کرنے کے لئے ایسے آلات استعمال ہوتے تھے جو یورپ میں کئی صدیوں بعد کوپر نیکس وغیرہ کے زمانے

تک ناپید تھے اس رصد گاہ میں محقق طوسی نے ریاضی کے ایسے مسائل پر مقالے لکھے جن پر عرصے تک اہل یورپ کی نظر نہیں گئی تھی۔(۲۰)

چنانچہ اپنی شہرہ آفاق تصنیف ''اصول اقلیدس'' میں طوسی نے خطوط متواتر کے مصادر کا نظریہ پیش کیا جس پر پانچ صدیوں تک یورپ کے ریاضی دان بحث کرتے رہے۔اسی بناپر محقق طوسی نے پہلی بار ''علم المثلثات الکرویہ ''کو مستقل حیثیت دی اور اس طرح ایک کتاب ''شکل القطاع ''لکھی جس کے ذریعے ٹرائی گونومیٹری کی بنیادیں استوار ہوئیں جو جدید ریاضی کے نصف سے زیادہ حصے کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔اس سلسلے میں ڈاکٹر آغا افتخار حسین مزید لکھتے ہیں :

"ریاضی ، ہیئت اور اقلیدس وغیرہ کے علاوہ اخلاقیات اور فلسفے میں بھی طوسی نے بیش بہا کارنامے انجام دیے ہیں۔بوعلی سینا کے ''اشارات'' کی شرح کا ذکر ہوچکا ہے۔طوسی کی شرح پر متعدد شرحیں لکھی گئی ہیں جن سے منطق میں نئے زاویے پیدا ہوتے ہیں۔ اخلاقیات میں طوسی کی ''اخلاق ناصری'' ارسطو کی اخلاقیات کے بعد سب سے اہم کتاب تسلیم کی جاتی ہے۔(یورپ کے فلسفیوں نے اخلاقیات کے فلسفے پر دو صدی بعد توجہ دی)۔ فلسفے اور علم کلام میں ایک نہایت عظیم تصنیف '' تجرید الکلام و العقائد'' (تجرید طوسی) ہے۔"

اس کتاب (تجرید الکلام والعقائد) کی معنوی حیثیت اس لیے بھی اہم ہے کہ اس میں محقق طوسی نے اسلامی افکار کی شیرازہ بندی کرنے کی کوشش کی ہے۔اس کتاب میں جوہر وعرض ،اجسام ،وجود وعدم ،علت و معلول اور اعراض وغیرہ کے موضوعات پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ان بحثوں کی روشنی میں اسلامی افکار کے چار فکری مکاتب یعنی متکلمین ، صوفیہ ، مشائیہ اور اشراقین کا جائزہ لے کر ان مختلف عقائد و نظریات کو ایک رشتے میں منسلک کرنے کی کوشش کی ہے۔(۲۱)

تاریخ

اسلامی علوم کی ایک شاخ تاریخ ہے جس میں شیعوں کے کردار کو دیکھا جائے تو بظاہر شیعیت گوشہ نشین نظر آتی ہے۔ شیعوں کے بہت سے تاریخی آثار خود سر حکمرانوں کی طرف سے مصائب ومشکلات کی وجہ سے ضائع ہوچکے ہیں۔ پھر بھی فہرست ابن ندیم اور فہرست نجاشی جیسی کتب میں شیعوں کی تاریخی کتب

نمایاں طور پر نظر آتی ہیں جو خاص تاریخی حوالوں کے لحاظ سے اہم ترین تاریخی کتب سمجھی جاتی ہیں۔ مثلاً صفین، جمل اور واقعہ کربلا کے بارے میں شیعوں نے بہت سی تاریخی کتب لکھی ہیں۔ شیعوں کا تاریخ کے بارے میں یہ اہتمام، تاریخ کے بارے میں اُن کی دینی بصیرت کو ظاہر کرتا ہے۔ چونکہ شیعوں نے قرآن مجید اور ائمہ اطہار علیہم السلام کی تعلیمات کی روشنی میں تاریخ کو ہمیشہ ''عبرت'' کے عنوان سے لیا ہے۔ "لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَبْصَارِ"۔ (۲۲)

شیعوں کے نزدیک تاریخ سرچشمۂ معرفت ہے اور وہ اسے عبرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور یہی شیعوں کی تاریخ میں دلچسپی کا سبب بنتی ہے۔ دوسری طرف شیعوں کے امام اول حضرت علی علیہ السلام نے بھی شیعوں کو تاریخ اور تاریخی واقعات سے تفنن طبع کے بجائے عبرت حاصل کرنے کی وصیت کی ہے۔ چنانچہ نہج البلاغہ کے مکتوب نمبر ۳۱ میں مولا امیر المؤمنینؑ اپنے فرزند دلبند حضرت امام حسن علیہ السلام کو وصیت کرتے ہوئے ایک جگہ فرماتے ہیں:

> ''اے فرزند! اگرچہ میں نے اتنی عمر نہیں پائی جتنی اگلے لوگوں کی ہوا کرتی تھیں، پھر بھی میں نے اُن کی کارگزاریوں کو دیکھا ہے، اُن کے حالات وواقعات میں غور کیا ہے اور اُن کے چھوڑے ہوئے نشانات میں سیر وسیاحت کی، یہاں تک کہ گویا میں بھی انہی میں کا ایک ہو چکا ہوں۔ بلکہ اُن سب کے حالات ومعلومات جو مجھ تک پہنچ گئے ہیں، اُن کی وجہ سے ایسا ہے کہ گویا میں نے اُن کے اول سے لے کر آخر تک کے ساتھ زندگی گذاری ہے''۔ (۲۳)

تاریخ کے بارے میں حضرت امام علی علیہ السلام کا یہ بیان شیعوں کو تاریخی بصیرت عطا کرتا ہے جس کے بعد وہ تاریخ کا بطور عبرت مطالعہ کرتے ہیں۔ جس کی وجہ سے شیعوں نے تاریخ نگاری کے باب میں بہت بلند قدم اُٹھائے ہیں۔ اگر ہم غیر امامی شیعوں کو بھی شامل کریں تو شیعوں کی تاریخی کتب کی فہرست اور بھی وسیع ہو جاتی ہے۔

مشہور ہے کہ سب سے بڑے مؤرخ اور سیرت نگار ''ابن اسحاق'' شیعہ تھے۔ بہت سے قرائن بھی اس بات پر موجود ہیں۔ جیسا کہ ابن ہشام نے ابن اسحاق سے روایت لیتے وقت بہت سی باتیں حذف کر دی ہیں جو اس دعویٰ کی دلیل ہے، چونکہ محققین کے مطابق ابن ہشام نے، ابن اسحاق سے نقل کرنے میں جن باتوں سے پرہیز کیا ہے وہ اہل بیت اطہار علیہم السلام کے بارے میں تھیں۔ ابن اسحاق کے بعد ائمہ اہل بیتؑ کے جن اصحاب نے تاریخ کے خاص حالات لکھے ہیں، اُن میں لوط بن یحییٰ المعروف ابی مخنف اور

اُن کے بعد واقدی ،یعقوبی اور مسعودی ہیں ۔البتہ یہ لوگ اصطلاحاً امامی مذہب نہیں ہیں بلکہ محبت اہل بیتؑ رکھنے کی وجہ سے شیعہ مشہور ہیں اور ان کی کتابوں میں اہل بیتؑ کی مخالفت کے بارے میں کوئی بات نہیں ملتی ۔اس لحاظ سے انہی شیعی مورّخ کے عنوان سے پہنچانا جاسکتا ہے ۔جیسا کہ اہل بیت مخالف متعصب علما بھی اسی خیال کا اظہار کرتے ہیں ۔البتہ شیعوں کے لئے تاریخ نگاری کی مشکلات بھی بہت زیادہ تھیں ،جو ایک الگ تحقیق طلب موضوع ہے ۔ان سب مشکلات کے باوجود شیعوں کو اپنے نمایاں عقائد اور سیاسی موٴقف کی وجہ سے اسلامی تہذیب وتمدن کی تاریخ لکھنے والے نظر انداز نہیں کر سکتے ۔

حوالہ جات

۱۔ خامنہ ای ڈاٹ آئی آر

۲۔ جاحظ نے عثمانیہ کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے، جس میں اس گروہ کے بارے میں تفصیلات موجود ہیں۔

۳۔ شیخ مفید، الارشاد، ص ۲۷۱

۴۔ طوسی، اختیار معرفۃ الرجال، تحقیق حسن مصطفوی، ص ۲۷۸، ۲۷۵ / شیخ محمّد تقی شوشتری، قاموس الرّجال، ج ۳، ص ۴۱۶

۵۔ شیخ ابراہیم نصر اللہ، حلب والتشیع، ص ۲۴، ۲۱

۶۔ علی اصغر فقیہی، آل بویہ، ص ۴۶ ۷، ۷۸۹

۷۔ علی اصغر فقہی، آل بویہ، ص ۷۵۴

۸۔ جاڑا حسین بخش، مقدمہ تفسیر انوار النجف، ص ۱۵۱

۹۔ سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، ج ۲، ص ۳۲۸ طبقات المفسرین

۱۰۔ مسند احمد حنبل، ج ۱، ص ۱۱۹/ سیّد عبد الحسین شرف الدّین، مؤلّفوا الشّیعۃ فی صدر الاسلام، ص ۱۵، ۱۴۔

۱۱۔ نجاشی، فہرست مصنفی الشیعۃ، ص ۴

۱۲۔ شیخ مفید، الاختصاص، ص ۵۳/ مجلسی، بحار الانوار، ج ۴۶، ص ۳۲۸

۱۳۔ ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ، ج ۱، ص ۱۸

۔ شبلنجی، نور الابصار، ص ۱۶۷/ ابن شہر آشوب، ج ۴، ص ۴۲۵/ علی بن عیسی اربلی، کشف الغمّۃ، ج ۳، ص ۲۱۹/ ابن حجر ہیثمی، الصواعق

۱۴۔ المحرقہ، ص ۲۰۷، ابن صبّاغ مالکی، الفصول المہمّۃ، ص ۳۰۴

۱۵۔ مناقب ابن شہر آشوب مازندرانی جلد ۵ ص ۱۲۷، بحار الانوار جلد ۱۲ ص ۱۷۲، دمعہ ساکبہ جلد ۳ ص ۱۸۳

۱۶۔ آغا افتخار حسین، قوموں کی شکست وزوال کے اسباب کا مطالعہ، ص ۳۷

۱۷۔ معالم العلماء ص ۱، طبع ایران

۱۸۔ سید حسن صدر، تاسیس الشیعہ لعلوم الاسلام، ص ۴۰۴/ محمد رضا حکیمی، دانش مسلمین، ص ۳۲۳۔

۱۹۔ آغا افتخار حسین، قوموں کی شکست وزوال کے اسباب کا مطالعہ، ص ۳۴، ۳۳

۲۰۔ آغا افتخار حسین، قوموں کی شکست وزوال کے اسباب کا مطالعہ، ص ۳۷، ۳۶

۲۱۔ ایضاً

۲۲۔ یوسف: آیت ۱۱۱

۲۳۔ نہج البلاغہ، مکتوب نمبر ۳۱، ترجمہ مفتی جعفر حسینؒ۔

اسلامی معاشرہ کے خدّوخال

(نہج البلاغہ کی روشنی میں)

روشن علی *

کلیدی کلمات : اسلامی معاشرہ، نہج البلاغہ، معاشرتی طبقات، سیرت، عدل وانصاف، عادل حکومت۔

خلاصہ :

انسان فطری طور پر اجتماعی زندگی بسر کرتا اور اپنی معاشرتی زندگی کو بہتر سے بہتر بنانے کی سعی کرتا رہا ہے۔ لیکن اُس کی یہ کوشش وحی الٰہی کے سرچشمہ سے سیراب ہونے کے بعد ہی پوری ہو سکتی ہے۔ چنانچہ اس مقالے میں وحی و رسالت کی گود کے پروردہ حضرت علی علیہ السلام کے کلام کی روشنی میں اسلامی معاشرے کے خدوخال اجاگر کیے گئے ہیں۔ نہج البلاغہ کے مطابق اسلامی معاشرہ میں تمام انسان، من حیث الانسان برابر ہیں۔ وہ مساوی معاشرتی حقوق رکھتے ہیں۔ حضرت علی علیہ السلام انسانوں کو معاشرے کی بنیادی اکائی یعنی خاندان سے تعلق قائم رکھنے کی تلقین فرماتے ہیں۔ آپ ؑ توحید، قرآن مجید، سیرت رسول اکرم ﷺ اور سیرت اہل بیت اطہار علیہم السلام کی پیروی کو اسلامی معاشرے کے بنیادی اصول قرار دیتے ہیں۔ آپ ؑ کے نزدیک اسلامی معاشرہ، حسد اور غداری سے پاک ہوتا ہے، اہل معاشرہ علم کی تلاش میں ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ محبت والفت کرتے ہیں۔ عوام کی خدمت، عادلانہ نظام حکومت کا قیام، امن وامان کی برقراری، دین کا احیاء، علم کی قدر دانی، اتحاد و یک جہتی اور معاشرہ کے افراد کی تربیت وغیرہ اسلامی معاشرے کی تشکیل کے اہم ترین مقاصد ہیں۔

* ۔ اسسٹنٹ پروفیسر وفاقی نظامت تعلیمات، اسلام آباد۔

مقدمہ

تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ انسان فطری طور پر آغاز خلقت سے ہی اجتماعی زندگی کا خواہاں ہے۔اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے آس پاس میں زندگی بسر کرنے والوں سے مختلف نوعیت کے رابطے اور میل وملاپ بڑھانے کی سعی اور تلاش میں رہا ہے۔ اگر دیکھا جائے تو کائنات کی ہر چیز جوڑے کی صورت میں خلق ہوئی ہے۔ اسی فطری اور طبیعی مقصد کو پورا کرنے اور دوسرے موجودات کی نسبت عقل کے نایاب گوہر سے بہرمند ہونے کی وجہ سے اپنی اجتماعی اور معاشرتی زندگی کو بہتر سے بہتر بنانے کی تگ و دو میں رہا ہے۔ لیکن جب تک انسان اپنی فکر جولان گاہ کو وحی الٰہی کے چشمہ فیضان سے سیراب نہ کرے انسانیت کے عروج اور سربلندی کے لئے ایک اسلامی معاشرے کی تشکیل بھی ادھوری رہے گی۔ آج اسی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے وحی الٰہی کے چشمہ فیض سے سیراب ہونے والے کائنات کی بے مثال ہستی امیر المؤمنین حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے انمول کلام "**نہج البلاغہ**" کی روشنی میں ایک اسلامی معاشرے پر گفتگو کی جائے۔ نہج البلاغہ امام علی علیہ السلام کا انسانیت کے لیے ایک عظیم تحفہ ہے، جس میں اسلامی اور الٰہی معاشرے کے خدوخال بیان کئے جائیں گے۔اس مقالہ میں کوشش کی گئی ہے کہ امام علی علیہ السلام کے ہاتھوں تشکیل پانے والے معاشرے کی طرف اشارہ کیا جائے نہج البلاغہ کی نورانیت میں جو معاشرہ چاند، ستاروں کی طرح چمکتا نظر آرہا ہے وہ انسان کے ہر اخلاقی ، ثقافتی، معاشرتی، سیاسی، معاشی، اور کئی دوسری خصوصیات کو بیان کررہا ہے۔ یہ معاشرہ منفرد ہے، یہ اسلامی اور الٰہی معاشرہ ہے۔ اس معاشرہ میں کسی امیر اور غریب کا کوئی فرق نہیں ۔ تمام انسان بحیثیت انسان برابر ہیں اور ہر ایک کے حقوق متعین ہیں۔ اس مقالہ میں معاشرہ کی اہمیت ضرورت و اہمیت کو بیان کیا جائے گا۔ معاشرہ کے بنیادی اصولوں کی وضاحت کی جائے گی اور اس معاشرہ میں رہنے والے ہر فرد کے حقوق جو بیان کیا گیا ہے۔ نہج البلاغہ کی روشنی میں ایک ایسے معاشرے کو تلاش کرنا خود ہی بہت اہمیت کا حامل ہے۔ آج کے دور میں تڑپتی ہوئی انسانیت جہاں انسان نما افراد کے ہاتھوں لہولہان ہے، وہیں انسانیت کے دوستداروں کی ہمیشہ یہی کوشش رہی ہے کہ معاشرے کو ہر انداز سے بہتر سے بہتر بنا کے انسانیت اور اسکے اقدار کو ہمیشہ کے لئے زندہ اور جاوید رکھا جائے۔

اسلامی معاشرے کی ضرورت واہمیت

اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر خلقت کے مقاصد اور انسان کی اجتماعی زندگی کے ناقابل انکار پہلوؤں کو ملحوظ نظر رکھا جائے، ایک اسلامی معاشرے کی ضرورت خود بخود عیاں ہو جاتی ہے۔ نہج البلاغہ میں ایک صالح اور اسلامی معاشرے کی تشکیل پر کافی تاکید کی گئی ہے۔ چنانچہ امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام فرماتے ہیں:

وَالْزَمُوا السَّوَادَ الاَعْظَم فَإِنَّ يَدَ اللهِ مَعَ الْجَمَاعَةِ وَإِيَّاكُمْ وَالْفُرْقَةَ! فَإِنَّ الشَّاذَّ مِنَ النَّاسِ لِلشَّيْطَانِ، كَمَا أَنَّ الشَّاذَّةَ مِنَ الْغَنَمِ لِلذِّئْبِ۔ (۱)

یعنی: ہمیشہ مسلمانوں کے اس بڑے گروہ کے ساتھ پیوستہ رہو یقیناً خدا کا ہاتھ جماعت پر ہوتا ہے اور تفرقہ کرنے سے پرہیز کرو کیونکہ اکیلا آدمی شیطان کا نوالا ہوتا ہے، جس طرح اکیلا بھیڑ، بھیڑئے کا شکار ہو جاتا ہے۔

اسلامی افراد کا اجتماع اور معاشرہ سے کٹ کر علیحدہ رہنا اسی طرح شیطان کے حصہ میں چلے جانے کے مترادف ہے، جس طرح ایک بھیڑ اپنے ریوڑ سے جدا ہو کر بھیڑیے کی ضد میں آکر اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتی ہے اسی طرح ایک مسلمان اسلامی معاشرہ سے دور ہو کر اپنے ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ لہٰذا ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ مسلمانوں کے اجتماعات میں اپنی زندگی گزارے تاکہ وہ اپنے ایمان کو محفوظ کر سکے اور دنیا و آخرت کی تمام سعادتیں حاصل کر سکے۔ حضرت علی علیہ السلام اجتماعات اور بڑے اسلامی مراکز میں سکونت اختیار کرنے اور ایسے معاشرے سے دوری اختیار کرنے کی، جہاں ظلم و ستم اور خدا کی ذکر و عبادت سے غفلت کی جاتی ہو، تاکید کرتے ہوئے حضرت علی علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:

وَاسْكُنِ الْأَمْصَارَ الْعِظَامَ فَإِنَّهَا جِمَاعُ الْمُسْلِمِينَ وَاحْذَرْ مَنَازِلَ الْغَفْلَةِ وَالْجَفَاءِ وَقِلَّةَ الْأَعْوَانِ عَلَى طَاعَةِ اللهِ (۲)

یعنی: "ایسے بڑے بڑے شہروں میں سکونت اختیار کرو جہاں مسلمانوں کی کافی بڑی تعداد پائی جاتی ہو اور ایسے معاشروں میں سکونت اختیار کرنے سے پرہیز کرو جہاں یاد خدا سے غفلت، ظلم کا ساتھ اور خدا کی قلیل عبادت کی جاتی ہو"۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو ایسے شہروں میں سکونت اختیار کرنی چاہیے جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہو، وہاں اسلامی معاشرہ قائم ہو اور اللہ تعالیٰ کی بندگی کی جاتی ہو۔اسی طرح ایک اور مقام پر معاشرہ میں نیک اور صالح لوگوں کے ساتھ روابط قائم رکھنے کی تاکید کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

اِلْصَقْ بَذَوِی الْمُرُؤَاتِ وَالاَحْسَابِ، وَأَهْلِ الْبُيُوتَاتِ الصَّالِحَةِ، وَالسَّوَابِقِ الْحَسَنَةِ، ثُمَّ أَهْلِ النَّجْدَةِ وَالشَّجَاعَةِ، وَالسَّخَاءِ وَالسَّماحَةِ، فَإِنَّهُمْ جِمَاعٌ مِنَ الْكَرَمِ، وَشُعَبٌ مِنَ الْعُرْفِ

یعنی: اپنا رابطہ بلند خاندان، نیک گھرانے، عمدہ روایات والے اور صاحبان ہمت و شجاعت و سخاوت و کرم سے مضبوط رکھو کہ یہ لوگ کرم کا سرمایہ اور نیکیوں کا سرچشمہ ہیں۔(۳)

اس قول سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ اسلامی معاشرہ میں رہنے والے افراد بلند خاندان اور نیک گھرانے والے ہوتے ہیں۔ وہ بلند حوصلہ والے اور صاحبانِ شجاعت ہوتے ہیں، جود و سخاوت اور فضل و کرامت کا سرچشمہ ہوتے ہیں، لہٰذا ایسے لوگوں کے ساتھ تعلقات کو بڑھایا جائے اور ان کے ساتھ اپنی زندگی گزاری جائے تاکہ دنیا اور آخرت کی تمام سعادتوں کو حاصل کیا جائے۔

معاشرے کے افراد اور ان کے حقوق و فرائض

معاشرہ میں سکون پذیر لوگوں کے کئی طبقات ہیں اور ہر طبقہ کی اس کی حیثیت کے مطابق ذمہ داریاں اور حقوق بھی جدا جدا ہیں۔امام علی علیہ السلام عوام کے ان طبقات اور ان کے حقوق و فرائض کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

اعلم ان الرعية طبقات لا يصلح بعضها الا ببعض ...او سنة نبيه صلى الله عليه و آله وسلم عهدا منه عندنا محفوظا۔ (۴)

یعنی: "اور تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ رعیت و عوام میں کئی طبقات ہیں، جن کی فلاح و بہبود ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے اور وہ ایک دوسرے سے بے نیاز نہیں ہو سکتے۔ ان میں سے ایک طبقہ وہ ہے جو اللہ کی راہ میں کام آنے والے فوجیوں کا ہے، دوسرا طبقہ وہ جو عمومی اور خصوصی تحریروں کا کام انجام دیتا ہے، تیسرا طبقہ انصاف کرنے والے قاضی اور جج ہیں، چوتھا طبقہ حکومت کے وہ عمال ہیں جن سے امن اور انصاف قائم ہوتا

ہے، پانچواں طبقہ جزیہ اور خراج دینے والے لوگوں کا ہے چاہے وہ غیر مسلم ذمی ہوں یا مسلمان ہوں، چھٹہ طبقہ تاجروں اور صنعتگروں کا ہے، ساتواں طبقہ سب سے پست اور حاجتمند فقیروں اور مسکینوں کا ہے۔ اللہ نے ہر ایک کا حق متعین کر دیا ہے اور اپنی کتاب یا سنت نبوی ﷺ میں اس کی حد بندی کر دی ہے اور وہ مکمل دستور ہمارے پاس موجود ہے۔"

اس قول میں امام علیہ السلام معاشرہ کے افراد کے سات طبقات بیان کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ہر طبقہ کے حقوق اور فرائض کو بھی بیان کیا۔ کے ادنی فرد سے لے کر اعلیٰ فرد تک ہر ایک کی کو دوسرے طبقہ کی ضرورت ہے اور ان تمام کی فلاح و بہبود ایک دوسرے کے ساتھ جڑی ہوئی ہے، ان میں سے کوئی کسی سے بے نیاز نہیں ہے، لہٰذا ان اسلامی معاشرے کے تمام افراد پر لازمی ہے کہ وہ ایک دوسرے کے حقوق کا خیال رکھیں۔

اسلامی معاشرے کے بنیادی اصول

ایک چھوٹے سے چھوٹے اجتماع اور جماعت سے لیکر ایک معاشرے تک کی بنیاد کے کچھ اصول اور ارکان ہوتے ہیں اور انہی اصول اور ارکان کو ملحوظ نظر رکھتے ہوئے اس معاشرے کے دوسرے سارے امور انجام پاتے ہیں۔ نہج البلاغہ میں تشکیل پائے جانے والا اسلامی معاشرہ بھی کچھ اہم اصول اور ارکان کی بنیاد پر وجود میں آتا ہے۔ امام علی علیہ السلام نے ہر جگہ ان ارکان کی جانب اشارہ کرتے ہوئے انسان کو اپنے اسلامی معاشرے کی حقیقت سے آشنا کرایا ہے مقالہ کی طوالت سے پرہیز کرتے ہوے یہاں صرف سب اہم اور بنیادی ارکان کی جانب اشارہ کریں گے۔

۱۔ توحید

توحید دوسرے سارے اصول اور ارکان کے لئے سرچشمہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اگر توحید نہ ہو، تو دوسرے سارے ارکان اور خصوصیات بے معنی ہو جاتے ہیں۔ نہج البلاغہ میں ارشاد ہے:

فَاتَّقُوا اللهَ الَّذی أَنْتُمْ بِعَیْنِهِ، وَ نَوَاصیکُمْ بِیَدِهِ، وَ تَقَلُّبُکُمْ فی قَبْضَتِهِ، إِنْ أَسْرَرْتُمْ عَلِمَهُ، وَ إِنْ أَعْلَنْتُمْ کَتَبَه قَدْ وَکَّلَ حَفَظَةً کِرَاماً وَ لَایُثْبِتُونَ بَاطِلاً۔ (۵)

یعنی: "اس اللہ سے ڈرو کہ تم جس کی نظروں کے سامنے ہو اور جس کے ہاتھ میں تمہاری پیشانیوں کے بال اور جس کے قبضہ قدرت میں تمہارا اٹھنا بیٹھنا اور چلنا پھرنا ہے، اگر تم کوئی بات مخفی رکھوگے، تو وہ اس کو جان لے گا اور ظاہر کروگے تو اسے لکھ لے گا اور تمہارے اوپر محترم کاتب مقرر کردئے ہیں جو کسی حق کو ساقط نہیں کرتے اور کسی باطل کو ثابت نہیں کر سکتے ہیں۔"

یہ اسلامی معاشرہ کی خصوصیات ہیں کہ جس میں خوف خدا پایا جاتا ہے، کیونکہ ان افراد کو اس بات کا یقین ہے کہ وہ جو کچھ بھی کرتے ہیں ان کے اعمال پر اللہ تعالیٰ خود نگران ہے اور اس کے ساتھ ان کے اعمال پر مقرب فرشتوں کو بھی مقرر کر دیا ہے تو وہ کبھی بھی ایسا کام انجام نہیں دیتے جو اللہ کی ناراضگی کا باعث ہو۔ اسی لیے ایسے افراد کا معاشرہ ایک عظیم معاشرہ بن جاتا ہے۔امام علی علیہ السلام نہج البلاغہ میں اسی فلسفہ اور حکمت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

یعنی: "پروردگار عالم نے حضرت محمد ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا تاکہ آپ لوگوں کو بت پرستی سے نکال کر عبادت الہی کی منزل کی طرف لے آئیں اور شیطان کی اطاعت سے نکال کر رحمان کی اطاعت کرائیں اس قرآن کے ذریعہ سے جسے واضح اور محکم قرار دیا ہے تاکہ بندے خدا کو نہیں پہچانتے ہیں تو پہچان لیں۔" (۶)

۲۔ قرآن مجید

نہج البلاغہ میں تقریباً بیس سے زیادہ خطبوں میں تعلیمات قرآن مجید کو عملی جامہ پہنانے پر تاکید کی گئی ہے۔ آپؑ کا اسلامی معاشرہ قرآن کے اصول اور قوانین پر استوار ہے۔امام علیہ السلام کے ارشادات کے مطابق اسلامی معاشرے کا سب سے بہترین ہادی قرآن ہے۔

وَعَلَیْکُمْ بِکِتَابِ اللهِ، فَإِنَّهُ الْحَبْلُ الْمَتِینُ، وَالنُّورُ الْمُبِینُ، وَالشِّفَاءُ النَّافِعُ وَ العِصمَةُ لِلْمُتَمَسِّکِ وَ النَّجَاةُ لِلْمُتَعَلِّقِ... مَنْ قَالَ بِهِ صَدَقَ وَ مَنْ عَمِلَ بِهِ سَبَقَ۔ (۷)

یعنی: "اور تم پر لازم ہے کہ کتاب خدا پر عمل کرو کہ یہی مضبوط رسی اور روشن نور اور نفع بخش شفا ہے، اس میں پیاس بجھانے والوں کے لیے سیرابی ہے، وہی تمسک کرنے والوں کے لیے جائے پناہ گاہ ہے، وہی رابطہ رکھنے والوں کے لیے ذریعہ نجات ہے... جو اس کے ذریعہ کلام کرے گا وہ سچا ہوگا اور جو اس کے مطابق عمل کرے گا وہ سبقت لے جائے گا۔"

جس معاشرہ کا دستور قرآن کریم بن جائے وہ معاشرہ کتنا عظیم ہوگا۔ کامیابی و کامرانی اس کا مقدر بن جائے گی۔ ایسا معاشرہ ہر میدان میں سبقت لے جائے لہٰذا دنیا اور آخرت کی تمام سعادتیں مل جائیں گی۔ اسی طرح قرآن کو اپنا دستور بنانے والے معاشرے کے بارے میں ایک اور مقام پر امام علی علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:

أَلَا إِنَّ فِيهِ عِلْمَ مَا يَأْتِي، وَالْحَدِيثَ عَنِ الْمَاضِي، وَدَوَاءَ دَائِكُمْ، وَنَظْمَ مَا بَيْنَكُمْ ۔ (۸)

یعنی: "اس میں مستقبل کا علم ہے اور ماضی کی داستان ہے تمہارے درد کی دوا ہے اور تمہارے امور کی تنظیم کا سامان ہے۔"

۳۔ سیرت رسول اکرم ﷺ

نظر اور عمل کے میدان میں آنحضور ﷺ کی سیرت پر عمل کرنا امامؑ کے بیان کردہ اسلامی معاشرے کے اہم ترین ارکان میں سے ایک اہم رکن ہے۔ آپ علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:

"تم اپنے نبیؐ کی ہدایت کی اقتدا کرو کیونکہ یہ افضل ترین ہدایت ہے اور آپکی سنت پر عمل کرو کیونکہ یہ تمام سنتوں سے زیادہ ہدایت یافتہ سنت ہے۔" (۹)

آپ علیہ السلام اپنی وصیت میں ارشاد فرماتے ہیں:

"میری وصیت یہ ہے کہ کسی کو اللہ کا شریک قرار نہ دینا اور پ (حضرت) محمد (ﷺ) کی سنت کو ضائع نہ کرنا کہ یہی دونوں دین کے ستون ہیں انہیں کو قائم کرو اور انہیں دونوں چراغوں کو روشن رکھو۔" (۱۰)

۴۔ سیرت اہل بیت اطہار علیہم السلام

لیکن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاکیزہ سیرت کو سمجھنے اور اسلامی معاشرے میں اجرا کرنے کے لئے معاشرہ اہلبیت اطہار علیہم السلام کے محتاج ہے ۔امام علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:

نَحْنُ الشِّعَارُ وَالاَصْحَابُ، وَالْخَزَنَةُ وَالاَبْوَابُ، ۔۔۔ وَإِنْ صَمَتُوالَمْ يُسْبَقُوا۔ (۱۱)

یعنی: در حقیقت ہم اہلبیت ہی دین کے نشان اور اس کے ساتھی ہیں، اس کے احکام کے خزانہ دار اور اس کے دروازے ہیں اور ظاہر ہے کہ گھروں میں دروازوں کے بغیر نہیں آیا جاسکتا ہے کیونکہ جو دروازوں کے بغیر داخل ہوتا ہے، وہ چور کہلاتا ہے۔ انہیں اہلبیت کے بارے میں قرآن کریم کی عظیم آیات ہیں۔یہی رحمان کے خزانہ دار ہیں، یہ جب بولتے ہیں تو سچ کہتے ہیں اور جب قدم آگے بڑھاتے ہیں تو کوئی ان پر سبقت نہیں لے جاسکتا ہے۔

اسلامی معاشرے کی اہم خصوصیات

نہج البلاغہ کے بیان کردہ اسلامی معاشرے کی بہت سی خصوصیات میں سے صرف چند اہم ترین خصوصیات کو بیان کرنے پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔

۱۔ حسد و غداری سے پاک معاشرہ

امیر المؤمنین علی علیہ السلام حسد سے پاک معاشرہ کے افراد کی خصوصیات اس طرح بیان کرتے ہیں:

"انسان کے مقسوم میں کم یا زیادہ جو کچھ بھی ہوتا ہے اس کا امر آسمان سے زمین کی طرف بارش کے قطروں کی طرح نازل ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص اپنے بھائی کے پاس اہل و مال یا نفس کی فراوانی دیکھے تو اس کے لیے فتنہ نہ بنے کیونکہ کسی مسلمان مرد کے کردار میں اگر ایسی پستی نہیں ہے جس کے ظاہر ہوجانے کے بعد جب بھی اس کا ذکر کیا جائے اس کی نگاہ شرم سے جھک جائے اور پست لوگوں کے حوصلے بلند ہوجائیں اس کی مثال اس کامیاب جواری کی ہے جو جوئے کے تیروں کا

پانسہ پھینک کر پہلے ہی مرحلہ میں کامیابی کا انتظار کرتا ہے جس سے فائدہ حاصل ہو اور گذشتہ فساد کی تلافی ہو جائے۔" (۱۲)

اسی طرح آپ علیہ السلام صداقت پر عمل اور غداری سے پرہیز کرنے کی تاکید کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

إن الوفاء توأم الصدق ولا أعلم جنة أوقى منه . ولا يغدر من علم كيف المرجع. . . من لا حريجة له في الدين۔ (۱۳)

یعنی: اے لوگو! یاد رکھو وفاء ہمیشہ صداقت کے ساتھ رہتی ہے اور میں اس سے بہتر محافظ کوئی سپر نہیں جانتا ہوں اور جسے بازگشت کی کیفت کا اندازہ ہوتا ہے وہ غداری نہیں کرتا ہے۔ہم ایک ایسے دور میں واقع ہوئے ہیں جس کی اکثریت غداری اور مکاری کا نام ہوشیاری رکھ لیا ہے۔اہل جہالت نے اس کا نام حسن تدبیر رکھ لیا ہے۔آخر انہیں کیا ہوگیا ہے، خدا نہیں غارت کرے وہ انسان جو حالات کے الٹ پھیر کو دیکھ چکا ہے وہ بھی حیلہ کے رخ کو جانتا ہے لیکن امر و نہی الٰہی اس کا راستہ روک لیتے ہیں اور وہ مکان رکھنے کے باوجود اس راستہ کو ترک کردیتا ہے اور وہ شخص اس موقع سے فائدہ اٹھا لیتا ہے جس کے لیے دین سد راہ نہیں ہوتا۔

۲۔ علمی معاشرہ

اسلامی معاشرہ ایک ایک پہچان اس کا علمی ہونا ہے، جس کی خصوصیات امیر المؤمنین علیہ السلام بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

واعلموا أن عباد الله المستحفظين علمه يصونون مصونه. . . قد ميزه التخليص، وهذبه التمحيص۔ (۱۴)

یعنی: یاد رکھو! اللہ کے وہ بندے جنہیں اس نے اپنے علم کا محافظ بنایا ہے ,وہ اس کا تحفظ بھی کرتے ہیں اور اس کے چشموں کو جاری بھی کرتے رہتے ہیں۔آپس میں محبت سے ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں اور چاہت کے ساتھ ملاقات کرتے ہیں۔

سیراب کرنے والے جاموں سے مل کر سیراب ہوتے ہیں اور پھر سیر و سیراب ہو کر ہی باہر نکلتے ہیں۔ان کے اعمال میں ریب کی آمیزش نہیں ہے اور ان کے معاشرہ میں غیبت کا گذر نہیں ہے۔اسی انداز سے مالک نے ان کی تخلیق کی ہے اور ان کے اخلاق قرار دیے ہیں۔اور اسی بنیاد پر وہ آپس میں محبت بھی کرتے ہیں اور ملتے بھی رہتے ہیں۔ان کی مثال ان دانوں کی ہے جن کو اس طرح چنا جاتا ہے کہ اچھے دانوں کو لے لیا جاتا ہے اور خراب کو پھینک دیا جاتا ہے۔انہیں اسی صفائی نے ممتاز بنا دیا ہے اور انہیں اسی پرکھ نے صاف ستھرا قرار دے دیا ہے۔

۳۔ باہمی الفت

حضرت علی علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:

"تمہارے چھوٹوں کو چاہیے کہ اپنے بڑوں کی پیروی(احترام) کریں اور بڑوں کا فرض ہے کہ اپنے چھوٹوں پر مہربانی کریں اور خبردار تم لوگ جالیت کے ان ظالموں جیسے نہ ہو جانا جو نہ دین کا علم حاصل کرتے تھے اور نہ اللہ کے بارے میں عقل و فہم سے کام لیتے تھے۔ان کی مثال ان انڈوں کے چھلکوں جیسی جو شتر مرغ کے انڈے دینے کی جگہ پر رکھے ہوں کہ ان کا توڑنا تو جرم ہے لیکن پرورش کرنا بھی سوائے شر کے کوئی نتیجہ نہیں دے سکتا ہے۔" (۱۵)

اسی طرح ایک اور مقام پر اسلامی معاشرے کے افراد کو ایک دوسرے کی مدد کرنے کی تاکید کرتے ہیں:

"ائے لوگو! یاد رکھو کہ کوئی شخص کسی قدر بھی صاحب مال کیوں نہ ہوجائے اپنے قبیلہ اور ان لوگوں کے ہاتھ اور زبان کے ذریعہ دفاع کرنے سے بے نیاز نہیں ہو سکتا ہے۔یہ لوگ انسان کے بہترین محافظ ہوتے ہیں اس کی پراگندگی کے دور کرنے والے اور مصیبت کے نزول کے وقت اس کے حال پر مہربان ہو تے ہیں۔پروردگار بندہ کے لیے جو ذکر خیر لوگوں کیء درمیان قرار دیتا ہے وہ اس مال سے کہیں زیادہ بہتر ہوتا ہے جس کے وارث دوسرے افراد ہو جاتے ہیں۔" (۱۶)

۴۔ حق وانصاف پر مبنی معاشرہ

نہج البلاغہ میں بیان ہونے والا اسلامی معاشرہ حق مدار ہے حق اور حقیقت پر مبنی ہے اس معاشرے میں زندگی بسر کرنے والے افراد کا معیار اور محور حق ہیں ایسے افراد:

"گواہی طلب کئے جانے سے پہلے حق کا اعتراف کرتے ہیں۔" (۱۷)

"حق کی معرفت رکھنے کے ساتھ ساتھ اس پر عمل بھی کرتے ہیں۔" (۱۸)

آپ کی نظر میں بیان و توصیف کے اعتبار سے حق کا دائرہ کافی وسیع ہے لیکن عملی میدان میں کافی تنگ ہے:

"حق مدح سرایی کے اعتبار سے تو بہت وسعت رکھتا ہے لیکن انصاف کے اعتبار سے بہت تنگ ہے۔" (۱۹)

۵۔ آزادی

اس میں کوئی شک نہیں کہ آزادای انسان کا پیدایشی حق ہے عصر حاضر میں جتنا آزادی بشر کے بارے میں لکھا اور کہا جاتا ہے شاید ہی انسانی تاریخ کے کسی اور دور میں اس سلسلے میں گفت و شنید ہوئی ہو امام علی علیہ السلام کے اسلامی معاشرے کی سب سے اہم اور بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ہر طرح کی آزادی سے مالا مال ہے، امام علیہ السلام اس حقیقت کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

لاَتَكُنْ عَبْدَ غَيْرِكَ وَقَدْ جَعَلَكَ اللهُ حُرّاً۔ (۲۰)

کسی کا غلام مت بنو کیونکہ خدا نے تمہے آزاد پیدا کیا ہے۔

جب حکمیت کے بارے میں لوگوں کے درمیان اختلاف ہوا تو آپؑ نے فرمایا:

وَلَيْسَ لِي أَنْ أَحْمِلَكُمْ عَلَى مَا تَكْرَهُونَ! ۔ (۲۱)

میں تمہیں کسی ایسی چیز پر آمادہ نہیں کر سکتا ہوں جو تمہیں ناگوار اور ناپسند ہو۔

سیاسی امور میں آزادی کے حوالے سے ارشاد فرماتے ہیں:

أَنِّي لَمْ أُرِدِ النَّاسَ حَتَّى أَرَادُونِي، وَلَمْ أُبَايِعْهُمْ حَتَّى بَايَعُونِي۔ (۲۲)

میں نے خلافت کی خواہش نہیں کی لوگوں نے مجھ سے خواہش کی ہے اور میں نے بیعت کے لئے اقدام نہیں کیا ہے جب تک انہوں نے بیعت کرنے کا ارادہ ظاہر نہیں کیا ہے۔

اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد فرماتے ہیں:

"لوگوں نے میری بیعت کی جس میں نہ کوئی جبر تھا اور نہ اکراہ، بلکہ سب کے سب اطاعت گذار تھے اور مختار۔" (۲۳)

اسلامی معاشرہ کے اغراض و مقاصد

۱۔ عوام کی بھلائی

امام علی علیہ السلام عوام کے ساتھ بھلائی اور خیر خواہی کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

فان شکوا ثقلا، او علة، او انقطاع شرب، او بالة او احالة ارض اغتمرها غرق او اجحف بها عطش خففت عنهم... فان العمران محتمل ما حملته۔ (۲۴)

یعنی: "اگر وہ خراج کی سنگینی یا کسی آفت ناگہانی، یا نہری و بارانی آبپاشی کے ختم ہونے یا زمین کے سیلاب میں گھر جانے یا سیرابی کے نہ ہونے کے باعث اس کے تباہ ہونے کی شکایت کریں تو خراج میں اتنی کمی کرو کہ جس تمہیں ان کے حالات کے سدھرنے کی توقع ہو اور ان کے بوجھ کو ہلکا کرنے سے تمہیں گرانی محسوس نہ ہو۔

کیونکہ ان کو زیر باری سے بچانا ایک ایسا ذخیرہ ہے جو تمہارے ملک کی آبادی اور تمہارے قلمرو حکومت کی زیب و زینت کی صورت میں تمہیں پلٹا دیں گے اور اس کے ساتھ تم ان سے خراج تحسین اور عدل قائم کرنے کی وجہ سے مسرت بے پایاں بھی حاصل کر سکو گے اور اپنے حسن سلوک کی وجہ سے جس کا ذخیرہ تم نے ان کے پاس رکھ دیا ہے تم ان کی قوت کے بل بوتے پر بھروسہ کر سکو گے اور رحم و رافت کے جلو میں جس سیرت عادلانہ کا تم نے انہیں خوگر بنایا ہے اس کے بعد ممکن نہیں ہے کہ ایسے حالات بھی پیش آئیں کہ جن میں تمہیں ان پر اعتماد کرنے کی ضرورت ہو تو وہ انہیں خندہ پیشانی سے جھیل جائیں گے۔"

۲۔ عادل اور صالح حکومت کا قیام

اسلامی معاشرے کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد عادل حکومت کی تشکیل ہے ۔ امام علیہ السلام فرماتے ہیں:

لاَبُدَّ لِلنَّاسِ مِنْ أَمِیر۔ (۲۵)

لوگوں کے لئے ایک حاکم کا ہونا ضروری ہے۔

امام علی علیہ السلام ابن عباس سے فرماتے ہیں:

واللهِ لَهِیَ أَحَبُّ إِلَیَّ من إِمرتکم، إِلاّ أَن أُقیم حقّاً، أَو أَدفع باطلاً۔ (۲۶)

اللہ کی قسم یہ جوتی مجھے تمہاری حکومت سے زیادہ محبوب ہے سوائے اس کے کہ میں اس حکومت کے ذریعے حق کو قائم کروں یا کسی باطل کو دفع کروں۔

ایک اور مقام پر آپ علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:

"ملک میں ایک رہبر کی جگہ اس محکم دھاگے کی مانند ہے جو مہروں کو متحد کرکے آپس میں ملاتی ہے اور وہ اگر ٹوٹ جائے گا تو سارا سلسلہ بکھر جائے گا اور پھر ہر گز دوبارہ جمع نہیں ہو سکتا ہے۔" (۲۷)

امام علی علیہ السلام کے اسلامی معاشرے میں غیر صالح حاکم کی کوئی جگہ نہیں ہے کیونکہ رعیت اپنے حاکم کی اتباع کرتی ہے لہٰذا فاجر اور فاسق حاکم کی صورت میں پوری رعیت فاسد ہو جائے گی لیکن صالح اور نیک حاکمیت کی صورت میں معاشرہ بھی صالح اور نیک بن جاتا ہے:

فَلَیْسَتْ تَصْلُحُ الرَّعِیَّةُ إِلاَّ بِصَلاَحِ الْوُلاَةِ۔ (۲۸)

یعنی: "رعایا کی اصلاح تب تک ممکن نہیں ہے جب تک والی صالح نہ ہو۔"

۳۔ عدالت کا قیام

امام علی علیہ السلام کے اسلامی معاشرے کا سب سے بنیادی مقصد اور ہدف یہ ہے کہ معاشرے کے تمام امور میں انسان کی فطرت کے مطابق عدالت الٰہی کا اجرا ہو جائے ۔آپ علیہ السلام عدل کے دائرے کو وسعت بخشتے ہوئے سخاوت کے ساتھ اس کا موازنہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

" عدل امور کو اپنی جگہ پر بر قرار رکھتا ہے ، لیکن سخاوت امور کو انکی حدود سے خارج کر دیتی ہے۔ عدل ایک عام سیاست گر ہے، لیکن سخاوت کا اثر محدود ہے، اسی لئے عدل جود و سخا کے مقابلے میں بہتر ہے۔" (۲۹)

امام علی علیہ السلام کی نظر میں عدالت ذاتی طور سے ایک نیک اور اچھا کام ہے لہٰذا بغیر کسی دستور الہی کے بھی انسان کو عدالت اجرا کرنی چاہیے :

أَنْصِفُوا النَّاسَ مِنْ أَنْفُسِكُمْ۔ (۳۰)

یعنی : "لوگوں کے ساتھ انصاف کرو یہاں تک کہ اپنے آپ سے بھی انہیں انصاف دلاؤ۔"

عدل کو دائرے کو مزید وسعت دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں :

اتقوا اللہ فی عبادہ و بلادہ فانکم مسئولون حتی عن البقاع و البھائم۔ (۳۱)

یعنی : "لوگو ! خدا کے بندوں اور اس کے شہروں کے معاملے میں تقوی اختیار کرو کیونکہ تم سے حتیٰ کہ زمین کے خطوں اور جانوروں کے بارے میں بھی سوال کیا جائے گا۔"

آہ ! کیا ہی وہ عظیم معاشرہ ہوگا جس میں انسانوں کے ساتھ زمین کے خطوں جانوروں درختوں اور گھاس وغیرہ کا بھی خیال رکھا جاتا ہو۔ اسی لئے حکومت کا سب سے بنیادی کام اپنے تمام امور میں عدالت اور انصاف کا اجرا کرنا ہے :

وَلْيَكُنْ أَحَبَّ الْأُمُورِ إِلَيْكَ أَوْسَطُهَا فِي الْحَقِّ، وَأَعَمُّهَا فِي الْعَدْلِ، وَأَجْمَعُهَا لِرِضَى الرَّعِيَّةِ۔ (۳۲)

تمہاری نظر میں سب سے پسندیدہ کام وہ ہونا چاہئے جو حق کے مطابق ہو جس میں عدل عمومی ہو اور زیادہ زیادہ سے رعایا کی خوشنودی کا باعث ہو !

دوسری جگہ ملکی سطح پر عدالت اجرا کرنے کو حکام کی آنکھوں کی ٹھنڈک سے تعبیر کرتے ہیں :

وَإِنَّ أَفْضَلَ قُرَّةِ عَيْنِ الْوُلَاةِ اسْتِقَامَةُ الْعَدْلِ فِي الْبِلَادِ، وَظُهُورُ مَوَدَّةِ الرَّعِيَّةِ۔ (۳۳)

بے شک حکام اور والیوں کی آنکھوں کی ٹھنڈک ملکی سطح پر عدالت کا قائم کرنا اور رعایا کے دلوں کو اپنی طرف جذب کرنا ہے۔

امن کا قیام

امن کا قیام نہ فقط عالم انسانیت کا ایک اہم مقصد ہے بلکہ عالم حیوانات میں بھی یہ چیز ہر جانور، پرندے اور حشرات کے لئے اہمیت کی حامل ہے۔ عصر حاضر کے سب سے اہم مسائل میں سے ایک مسئلہ قیام امن ہی ہے۔امام علی علیہ السلام کے اس خوبصورت اسلامی معاشرے میں زندگی بسر کرنے والے تمام افراد امن وامان کی لذت کو درک کرتے ہیں:

"تاکہ تیرے ستم رسیدہ بندوں کو امن وامان حاصل ہو جائے۔" (۳۴)

اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد فرماتے ہیں:

"اور خبردار کسی ایسی دعوت صلح کا انکار نہ کرنا جس کی تحریک دشمن کی طرف سے ہو اور جس میں مالک کی رضامندی پائی جاتی ہو کہ صلح کے ذریعہ فوجوں کو قدرے سکون مل جاتا ہے اور تمہارے نفس کو بھی افکار سے نجات مل جائے گی اور شہروں میں بھی امن وامان کی فضا قائم ہو جائے گی۔" (۳۵)

اسی طرح سے شریعت اسلامی کے نفاذ کا ایک مقصد امنیت اور سلامتی بتلاتے ہیں:

الْحَمْدُ للهِ الَّذِی شَرَعَ الاْسْلاَمَ فَسَهَّلَ شَرَائِعَهُ لِمَنْ وَرَدَهُ، وَأَعَزَّ أَرْكَانَهُ عَلَى مَنْ غَالَبَهُ، فَجَعَلَهُ أَمْناً لِمَنْ عَلِقَهُ، وَسِلْماً لِمَنْ دَخَلَهُ۔ (۳۶)

یعنی: "تمام حمد اس اللہ کے لیے ہے کہ جس نے شریعت اسلام کو جاری کیا اور اس (کے سرچشمۂ) ہدایت پر اترنے والوں کے لیے اس کے قوانین کو آسان کیا، اور اس کے ارکان کو حریف کے مقابلے میں غلبہ و سرفرازی دی چنانچہ جو اس سے وابستہ ہو اس کے لیے امن جو اس میں داخل ہو اس کے لے صلح وآشتی۔"

دین کا احیاء

نہج البلاغہ کی دنیا میں تشکیل پانے والے اسلامی معاشرے کی ایک اور بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ یہ دین خدا کے احیاء والا معاشرہ ہے۔آپ معاشرے میں اٹھائے گئے کسی بھی سیاسی، اجتماعی یا فوجی اقدامات کی

وجہ نفاذ قانون اور شریعت ہی بتلاتے ہیں آپ خالق کائنات کے ساتھ مناجات کرتے ہوئے اس بات کی جانب اشارہ کرتے ہیں:

اللَّهُمَّ إِنَّكَ تَعْلَمُ أَنَّهُ ...الْمُعَطَّلَةُ مِنْ حُدُودِكَ۔ (۳۷)

یعنی: " بار الٰہا! تو خوب جانتا ہے کہ یہ جو کچھ بھی ہم سے (جنگ وپیکار کی صورت میں) ظاہر ہوا اس لیے نہیں تھا کہ ہمیں تسلط واقتدار کی خواہش تھی یا مال دنیا کی طلب تھی بلکہ یہ اس لیے تھا کہ ہم دین کے نشانات کو پھر ان کی جگہ پر پلٹائیں اور تیرے شہروں میں امن و بہبودی کی صورت پیدا کریں تاکہ تیرے ستم رسیدہ بندوں کو کوئی کھٹکا نہ رہے اور تیرے وہ احکام پھر سے جاری ہو جائیں جنہیں بیکار بنا دیا گیا ہے۔"

آزادی

اسلامی معاشرہ کے تمام افراد کو اپنے خیالات کے اظہار اور حق بات کے مشورہ کی حق آزادی حاصل ہے۔ وہ بلا خوف وخطرہ اور بلا تفریق ہر ایک کو حق وعدل کی باتیں کر سکتے ہیں:

وَلا تَظُنُّوا بِي اسْتِثْقالاً فِي حَقٍّ قِيلَ لِي، وَلا الْتِماسَ إِعْظامٍ لِنَفْسِي، فَإِنَّهُ مَنِ اسْتَثْقَلَ الْحَقَّ أَنْ يُقالَ لَهُ، أَوِ الْعَدْلَ أَنْ يُعْرَضَ عَلَيْهِ كانَ الْعَمَلُ بِهِما أَثْقَلَ عَلَيْهِ، فَلا تَكُفُّوا عَنْ مَقالَةٍ بِحَقٍّ أَوْ مَشُورَةٍ بِعَدْلٍ۔ (۳۸)

یعنی: "میرے متعلق یہ گمان نہ کرو کہ میرے سامنے کوئی حق بات کہی جائے گی تو مجھے گراں گزرے گی اور نہ یہ خیال کرو کہ میں یہ درخواست کروں گا کہ مجھے بڑھا چڑھا دو کیونکہ جو اپنے سامنے حق کے کہے جانے اور عدل کے پیش کئے جانے کو بھی گراں سمجھتا ہو اسے حق اور انصاف پر عمل کرنا کہیں زیادہ دشوار ہوگا تم اپنے کو حق کی بات کہنے اور عدل کا مشورہ دینے سے نہ روکو۔"

دشمن کے ساتھ بد سلوکی سے پرہیز

امام علیہ السلام السلام اسلامی معاشرہ کے افراد کو اخلاق و تہذیب سکھاتے ہوئے انہیں دشمن کے ساتھ بد سلوکی سے منع کرتے ہیں:

"میں تمہارے لئے اس چیز کو پسند نہیں کرتا کہ تم گالیاں دینے لگو اگر تم ان کے کرتوت کھولو اور ان کے صحیح حالات پیش کرو، تو یہ ایک ٹھکانے کی بات اور عذر تمام کرنے کا صحیح طریق کار ہو گا۔ تم گالم گلوچ کے بجائے یہ کہو کہ خدایا ہمارا بھی خون محفوظ رکھ اور ان کا بھی، اور ہمارے اور ان کے درمیان اصلاح کی صورت پیدا کر اور انہیں گمراہی سے ہدایت کی طرف لاتا کہ حق سے بے خبر، حق کو پہچان لیں اور گمراہی و سرکشی کے شیدائی اس سے اپنا رخ موڑ لیں۔" (۳۹)

علم کی قدر دانی

امام علی علیہ السلام کا اسلامی معاشرہ علم و دانش سے مالا مال ہے۔ آپؑ علم اور صاحبان علم کی قدر و منزلت کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

النَّاسُ ثَلَاثَةٌ فَعَالِمٌ رَبَّانِيٌّ وَ مُتَعَلِّمٌ عَلَى سَبِيلِ نَجَاةٍ وَ هَمَجٌ رَعَاعٌ أَتْبَاعُ كُلِّ نَاعِقٍ يَمِيلُونَ مَعَ كُلِّ رِيحٍ لَمْ يَسْتَضِيئُوا بِنُورِ الْعِلْمِ وَ لَمْ يَلْجَئُوا إِلَى رُكْنٍ وَثِيقٍ۔ (۴۰)

یعنی: "لوگ تین طرح کے ہوتے ہیں: خدا رسیدہ عالم، راہ نجات پر چلنے والا طالب علم اور عوام الناس کا وہ گروہ جو ہر آواز کے پیچھے چل پڑتا ہے اور ہر ہوا کے ساتھ لہرانے لگتا ہے۔ اس نے نہ نور کی روشنی حاصل کی ہے اور نہ کسی مستحکم ستون کا سہارا لیا ہے۔"

نیز اپنے معاشرے کو مثالی بنانے کے لئے لوگوں کو علم و دانش حاصل کرنے کی ترغیب کر رہے ہیں:

"تمہیں چاہئے کہ علم کی طرف بڑھو قبل اس کے کہ اس کا (ہرا بھرا) سبزہ خشک ہو جائے اور قبل اس کے کہ اہل علم سے علم سیکھنے میں اپنے ہی نفس کی مصروفتیں حائل ہو جائیں۔" (۴۱)

اتحاد ویک جہتی کا قیام

اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک معاشرے اور قوم کی ترقی ، سعادت اور بلند اہداف ایک دوسرے کے تعاون اور اتحاد کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتے نوع بشر کی دوام اور نسل کی بقاء کا اساسی اور بنیادی عامل اتحاد اور اتفاق ہی ہے ، کیونکہ اجتماعی زندگی کی بقاء کا اہم راز اتحاد میں ہی پوشیدہ ہے۔ اسلامی معاشرے کی ایک اہم خصوصیت لوگوں کا آپس میں اتحاد اور بھائی چارہ ہے، شاید پوری کائنات میں امام علیہ السلام السلام سے بڑھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کوئی ایسا شخص ہی نہیں ملے گا جس نے اتحاد کے لئے انتھک جدوجہد اور عظیم قربانیاں دی ہوں :

"امت کی شیرازہ بندی اور اس کے اتحاد کے لئے مجھ سے زیادہ خواہش مند کوئی نہیں ہے۔" (۴۲)

ایک اور مقام پر ارشاد فرماتے ہیں :

فَانْظُرُوا إِلَى مَوَاقِعِ نِعَمِ اللهِ سُبْحَانَهُ عَلَيْهِمْ حِينَ بَعَثَ إِلَيْهِمْ رَسُولاً، فَعَقَدَ بِمِلَّتِهِ طَاعَتَهُمْ، وَجَمَعَ عَلَى دَعْوَتِهِ أُلْفَتَهُمْ۔ (۴۳)

یعنی : "دیکھو ! کہ اللہ نے ان پر کتنے احسانات کئے ہیں کہ ان میں اپنا رسول بھیجا کہ جس نے اپنی اطاعت کا انہیں پابند بنایا اور انہیں ایک مرکز وحدت پر جمع کر دیا۔"

نیز فرماتے ہیں :

"رسول اکرم ﷺ نے اوامر الٰہیہ کو واضح انداز سے پیش کر دیا اور اس کے پیغامات کو پہونچا دیا۔ اللہ نے آپ کے ذریعہ انتشار کو مجتمع کیا۔ شگاف کو بھر دیا اور قرابتداروں کے افتراق کو انس میں تبدیل کر دیا حالانکہ ان کے درمیان سخت قسم کی عداوت اور دلوں میں بھڑک اٹھنے والے کینے موجود تھے۔" (۴۴)

معاشرہ کے افراد کی تربیت

امام علی علیہ السلام کی نظر میں اسلامی حکومت کی سب سے اہم ذمہ داری عوام اور معاشرے کی تربیت کرنا ہے :

أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّ لِي عَلَيْكُمْ حَقّاً، وَلَكُمْ عَلَيَّ حَقٌّ: فَأَمَّا حَقُّكُمْ عَلَيَّ: فَالنَّصِيحَةُ لَكُمْ، وَتَوْفِيرُ فَيْئِكُمْ عَلَيْكُمْ، وَتَعْلِيمُكُمْ كَيْلا تَجْهَلُوا، وَتَأْدِيبُكُمْ كَيْمَا تَعْلَمُوا۔ (۴۵)

یعنی: "اے لوگو! ایک تو میرا تم پر حق ہے، اور ایک تمہارا مجھ پر حق ہے کہ میں تمہاری خیر خواہی پیشِ نظر رکھوں اور بیت المال سے تمہیں پورا پورا حصہ دوں اور تمہیں تعلیم دوں تاکہ تم جاہل نہ رہو اور اس طرح تمہیں تہذیب سکھاؤں، جس پر تم عمل کرو۔"

امام تربیت کے اس دائرے کو صرف رعایا اور عوام کی تربیت تک محدود نہیں کرتے بلکہ سب سے پہلے خود قائد اور رہبر کو اپنی ذات کی تربیت کرنے کی تلقین کرتے ہیں:

"جو شخص اپنے کو قائد ملت بنا کر پیش کرے اس کا فرض ہے کہ لوگوں کو نصیحت کرنے سے پہلے اپنے نفس کو تعلیم دے اور زبان سے تبلیغ کرنے سے پہلے اپنے عمل سے تبلیغ کرے اور یہ یاد رکھے کہ اپنے نفس کو تعلیم و تربیت دینے والا دوسروں کو تعلیم و تربیت دینے والے سے زیادہ قابل احترام ہوتا ہے۔" (۴۶)

حقوق کا تحفظ

ہر ذی شعور انسان جب اس دنیا میں قدم رکھتا ہے تو وہ یہ محسوس کرتا ہے کہ اس معاشرہ میں اس پر کچھ ذمہ داریاں اور فرائض عائد ہوتے ہیں اور اسی طرح اس کے بھی اس معاسرہ میں کچھ حقوق ہیں چاہے وہ انفرادی حقوق ہوں یا اجتماعی ہوں۔ ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے امیر المؤمنین علی علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:

لایجری لاحد الا جری علیہ و یجری علیہ الا جری لہ۔ (۴۷)

یعنی: "دو آدمیوں میں ایک کا حق دوسرے پر اس وقت ہوتا ہے، جب دوسرے کا حق بھی اسی پر ہوتا ہے۔ اسی طرح دوسرے کا حق بھی اس پر تب ہوتا ہے جب اس کا حق بھی اس پر ہو۔"

اسی طرح حقوق ادا کرنے والے معاشرے کے باری میں ارشاد فرماتے ہیں:

"جب عوام حکومت کے حقوق ادا کرے اور حکومت بھی عوام کے پورے حقوق ادا کرے تو ان میں حق با وقار ہوگا، دین کی راہیں قائم ہونگی، عدل و انصاف کے نشانات برقرار ہو جائیں گے، سنتیں اپنے ڈھرے پر چل نکلیں گی، زمانہ سدھر جائے گا، بقائے سلطنت کی توقعات پیدا ہو جائیں گی اور دشمن کی حرص و طمع مایوسی میں بدل جائے گی۔" (۴۸)

حوالہ جات

۱۔ شیخ محمد عبدہ، شرح نہج البلاغۃ، جلد ۱، خطبہ ۱۲۷، ص ۲۶۱
۲۔ ایضاً، جلد ۲، مکتوب ۶۹ ص ۱۳۵
۳۔ ایضاً مکتوب ۵۳، ص ۹۲
۴۔ ایضاً، مکتوب ۵۳، ۹۲-۹۳
۵۔ جلد ۲، خطبہ ۱۸۳، ص ۳۶۹
۶۔ جلد ۱، خطبہ ۱۴۷، ص ۲۸۴
۷۔ جلد ۱، خطبہ ۱۵۶، ص ۳۰۳
۸۔ ایضاً خطبہ ۱۵۸، ص ۳۰۸
۹۔ ایضاً خطبہ ۱۱۰، ص ۲۳۳
۱۰۔ ایضاً خطبہ ۱۴۹، ص ۲۸۷
۱۱۔ ایضاً خطبہ ۱۵۴، ص ۲۹۷-۲۹۸
۱۲۔ ایضاً خطبہ ۲۳، ص ۶۷
۱۳۔ ایضاً خطبہ ۴۱، ص ۱۰۰-۱۰۱
۱۴۔ ایضاً خطبہ ۲۱۴، ص ۴۵۶-۴۵۷
۱۵۔ ایضاً خطبہ ۱۶۶، ص ۳۳۲
۱۶۔ خطبہ ۲۳، ص ۶۹
۱۷۔ ایضاً خطبہ ۱۹۳، ص ۴۲۴
۱۸۔ ایضاً خطبہ ۸۷، ص ۱۶۶
۱۹۔ ایضاً خطبہ ۲۱۶، ص ۴۵۹
۲۰۔ جلد ۲، قول ۱، ص ۱۴۳
۲۱۔ جلد ۱، خطبہ ۲۰۸، ص ۴۴۸
۲۲۔ جلد ۲، مکتوب ۵۴، ص ۱۱۵
۲۳۔ ایضاً، مکتوب ۱، ص ۳
۲۴۔ ایضاً ص ۱۰۰
۲۵۔ جلد ۱، خطبہ ۴۰، ۱۰۰
۲۶۔ ایضاً، خطبہ ۳۳، ص ۸۹
۲۷۔ ایضاً، خطبہ ۱۴۶، ص ۲۸۳
۲۸۔ ایضاً، خطبہ ۲۱۶، ص ۴۶۰
۲۹۔ ایضاً، قول ۴۳۷، ص ۲۴۸
۳۰۔ ایضاً، مکتوب ۵۳، ص ۸۸
۳۱۔ جلد ۱، خطبہ ۱۶۷، ص ۳۳۵
۳۲۔ جلد ۲، مکتوب ۵۳، ص ۸۸
۳۳۔ جلد ۲، مکتوب ۵۳، ص ۹۵
۳۴۔ جلد ۱، خطبہ ۱۳۱، ص ۲۶۷
۳۵۔ جلد ۲، مکتوب ۵۳، ص ۱۰۹
۳۶۔ جلد ۱، خطبہ ۱۰۶، ص ۲۱۹-۲۲۰
۳۷۔ جلد ۱، خطبہ ۱۳۱، ص ۲۶۷
۳۸۔ جلد ۱، خطبہ ۲۱۶، ص ۴۶۳
۳۹۔ جلد ۱، خطبہ ۲۰۶، ص ۲۴۶-۲۴۷
۴۰۔ جلد ۲، قول ۱۴۷، ص ۱۷۸
۴۱۔ جلد ۱، خطبہ ۱۰۵، ص ۲۱۹
۴۲۔ جلد ۲، مکتوب ۷۸، ص ۱۴۲
۴۳۔ جلد ۱، خطبہ ۱۹۲، ص ۴۱۳
۴۴۔ جلد ۱، خطبہ ۲۳۱، ص ۴۸۹
۴۵۔ جلد ۱، خطبہ ۳۴، ص ۹۲-۹۳
۴۶۔ جلد ۲، قول ۷۳، ص، ۱۵۷
۴۷۔ جلد ۱، خطبہ ۲۱۶، ص ۴۵۹
۴۸۔ ایضاً ص ۴۶۰

اقتصادیات اور اسلام کے نکتہ نظر سے
کاروباری اخلاق (۲)

تدوین: ڈاکٹر سید اللہ داد گر*

ترجمہ: ڈاکٹر شیخ محمد حسنین**

کلیدی کلمات : اسلام، اقتصادیات، اخلاق، کاروبار، اسلام کا جوہر، سودی کاروبار۔

خلاصہ:

جس طرح دیگر اقتصادی نظاموں میں کاروبار اور تجارت کے مخصوص قوانین اور فرائض ہیں، اسی طرح اسلامی اقتصادیات میں بھی کاروبار اور تجارت کے خاص قوانین اور ضابطے ہیں۔ اس مقالے میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ اسلام کی رو سے کاروبار میں اخلاقی ضابطوں کی پاسداری، کاروبار میں وسعت اور اس کی تقویت کا سبب بنتی ہے۔ مقالہ نگار نے کوشش کی ہے کہ اسلامی اقتصاد کے Paradigm میں کاروباری اخلاق کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کیا جائے۔ اس مقالہ کے پہلے حصے میں اقتصاد اور اخلاقیات کے باب میں کلی نظریات بیان کیے جا چکے ہیں۔ اس حصہ میں اخلاق اور اسلام کے باہمی رابطہ اور اس سے وابستہ Methodological ملاحظات کی طرف اشارہ کیا جائے گا۔ کاروباری اخلاق کے اساسی اصولوں اور اس کی امتیازی خصوصیات پر بھی بحث ہو گی اور مقالہ کے اختتام پر اسلام کے نکتۂ نظر سے کاروباری اخلاق کے اساسی مفاہیم اور اس کے عملی نمونے بیان کیے جائیں گے۔

*۔ شہید بہشتی یونی ورسٹی، تہران۔

**۔ محقق، استاذ فلسفۂ اسلامی، ڈائریکٹر نور الہدی مرکز تحقیقات (نمت) اسلام آباد۔

الف) اسلام میں اخلاق کے کلی اصول

کلی طور پر ہر دین اور بالخصوص دین اسلام تین بنیادی عناصر سے تشکیل پاتا ہے۔ یعنی: عقیدہ، اخلاق اور احکام۔ دین کا اخلاقی پہلو دیگر پہلوؤں سے وسیع ترین اور مفید ترین ہے۔ کیونکہ ہر دین کا عقیدتی پہلو اپنی جگہ خود اخلاقی پہلو سے وابستہ ہے اور با اخلاق انسانوں کی تربیت کے لیے انتہائی زیادہ قدر و قیمت کا قائل ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ پیغمبر اکرم اسلام ﷺ نے تصریح فرمائی کہ:

انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق

یعنی: "میں بنیادی طور پر اخلاقی مکارم کی تکمیل کے لیے مبعوث ہوا ہوں۔"

دوسرے الفاظ میں رسالت، جو کہ دین کا ایک اساسی رکن ہے، خود اخلاقی اہداف کے تحقق کا وسیلہ قرار پائی ہے۔ البتہ دین اور اخلاق کے باہمی محکم رابطے پر بحث فلسفۂ دین کا موضوع ہے اور اس موضوع کے مطالعات کے مطابق اللہ تعالی پر ایمان اور قیامت پر ایمان کے درمیان ایک اخلاقی رابطہ برقرار ہے۔(۱)

اس پس منظر میں یہ امر بہت واضح ہے کہ جب اخلاقی امور کا سرچشمہ ایمان اور دین جیسے ولولہ انگیز عناصر ہوں تو اخلاقی نظام کو بہت بہتر، مفید اور کار آمد بنایا جاسکے گا۔ کیونکہ کسی عقیدہ کا پابند ہونا، انسان کے لیے فریضہ اور احساس ذمہ داری ایجاد کرتا ہے۔ لہٰذا دین اور اخلاق کی ہمراہی اخلاق کی افادیت کو بہت بڑھا دیتی ہے۔ ہاں! یہ ممکن ہے کہ دین کی بعض ایسی تفاسیر کی جائیں کہ جن میں کے نظریاتی پہلو اخلاق کی افادیت کو کمزور بنا دیں۔ لہٰذا یہاں ایک مسلمہ اصول کے طور پر ہم اپنی بحث کی بنیاد اس امر پر رکھتے ہیں کہ کسی بھی دینی (منجملہ اسلامی) نظام کی مختلف تشریحات اور تعبیرات ہو سکتی ہیں لیکن اس مقالے میں ہم نے اسلام کی جس قرائت (تعبیر) کا انتخاب کیا ہے وہ اخلاقی امور کے ساتھ کافی حد تک سازگار ہے۔

یاد آوری کے طور پر یہاں آخری قابل ذکر نکتہ یہ ہے کہ اپنے طریق کار اور Method کے لحاظ سے اسلامی اقتصاد سے وابستہ موضوعات پر بحث میں ہم عقلی استدلال اور تجربی شواہد پر بھروسہ کرنے کے ساتھ ساتھ قرآن کریم، پیغمبر اکرم ﷺ اور آپ کے جانشینوں کے کلام پر مبنی نقلی استدلال، نیز مسلمان

دانشوروں کے ذریعے تدوین شدہ نظریات سے بھی استفادہ کریں گے۔اس بحث میں ہم اخلاق اور اسلام کے پیوند اور اخلاق کے بنیادی اصولوں کی طرف بھی اشارہ کریں گے۔

۱۔ الف) اسلام اور اخلاق کا باہمی رابطہ

یہاں ہم اخلاق اور اسلام کے باہمی رابطہ کے تشکیل دہندہ عناصر کی ایک فہرست بیان کریں گے اور ان میں سے ہر ایک کے بارے میں مختصر توضیح بیان کریں گے:

۱. اخلاق، اسلام کے تشکیل دہندہ تین عناصر (عقائد، احکام، اخلاق) میں جوہری کی حیثیت رکھتا ہے اور عقائد اور احکام اخلاق کا سہارا شمار ہوتے ہیں۔
۲. انسان کی تخلیق کی غرض وغایت اپنی ماہیت میں اخلاق مدار ہے۔
۳. اسلام کے سیاسی، سماجی اور معاشی نظاموں کے دل میں اخلاقی اہداف کے تحقق کا سامان پایا جاتا ہے۔ اس بیان کی روشنی میں گویا اسلام کا اخلاقی نظام، اسلام کے دیگر نظاموں کو نظم اور ہماہنگی عطا کرتا ہے۔

۲۔ الف) اخلاق، اسلام کا جوہر

اسلام کے دو دیگر عناصر (عقائد اور احکام) کے اخلاق سے رابطہ کو درج ذیل دو بیانات کی صورت میں پیش کیا جاسکتا ہے:

۱. دینی عقائد، اخلاقی نظام کے اندرونی استحکام میں معاونت فراہم کرتے ہیں۔
۲. اسلام کے حقوقی اور فقہی احکام، اخلاقی نظام کے استحکام میں لوجسٹک اور بیرونی معاونت فراہم کرتے ہیں۔

دوسرے الفاظ میں اسلام میں اخلاق اور اخلاقی اقدار اصل محور اور رکن ہیں اور عقائد اخلاقی احکام کے استحکام کا داخلی سہارا ہیں؛ جبکہ احکام اخلاقی احکام کے اجراء کی بیرونی ضمانت فراہم کرتے ہیں۔ یہاں یہ بات قابل توجہ ہے پیغمبر اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ : "اسلام اصولی طور پر پسندیدہ اخلاق ہی کا دوسرا نام

ہے۔ (۲) دوسری طرف قرآن کریم اخلاق کو پیغمبر اکرم ﷺ کی وجودی ساخت میں رچا بسا قرار دیتا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے:

انك لعلی خلق عظیم

یعنی: "بے شک آپ ﷺ اخلاق کی اعلی منزل پر ہیں۔"

بعض آیات و روایات سے یہ مطلب اخذ کیا جا سکتا ہے کہ پسندیدہ اخلاق تو دین داری کا معیار اور کسوٹی ہے۔ اسی طرح اس امر پر بھی تصریح ہوئی ہے کہ اللہ تعالی کے ہاں محبوب ترین افراد وہ ہیں جو اخلاقی اصول و ضوابط پر سب سے زیادہ توجہ دیتے ہیں۔ (۳) پیغمبر اسلام ﷺ نے بڑی صراحت سے فرمایا کہ مسلمانی کے سب سے بڑے درجہ پر وہ شخص فائز ہے جس کا اخلاق سب سے زیادہ پسندیدہ ہو:

خیرکم اسلاما احسنکم اخلاقا

یعنی: "تم میں اسلام میں سب سے بہتر وہ ہے جس کا اخلاق سب سے بہتر ہو۔"

اس سے زیادہ جالب یہ ہے کہ ایک شخص نے تین بار پیغمبر اکرم ﷺ سے پوچھا کہ دین کیا ہے؟ آپ نے ہر بار یہی جواب دیا کہ "دین، نیک اخلاق کا نام ہے۔" یہاں تک کہ ایمان کے درجات اور تکمیل کا میزان بھی پسندیدہ اور سنجیدہ اخلاقی رویوں کی پابندی قرار دیا گیا ہے:

اکمل المؤمنین ایمانا احسنهم خلقا

یعنی: "مؤمنین میں سے ایمان میں کامل وہ ہے جس کا اخلاق سب سے بہتر ہو۔"

نیز کہا گیا ہے کہ قیامت کے دن اچھے برے اعمال کے وزن کے وقت سب سے زیادہ وزن پسندیدہ اخلاق کا ہوگا:

اثقل الشیء فی المیزان الخلق الحسن۔ (۴)

یعنی: "میزان میں سب سے بھاری چیز، نیک اخلاق ہوگا۔"

اس سے پہلے بھی اشارہ ہوا ہے کہ خود پیغمبر اکرم ﷺ نے اپنی بعثت کا اصل ہدف اخلاقی اصولوں کی تکمیل ہی قرار دیا ہے۔ لہٰذا یوں لگتا ہے کہ تمام عقیدتی عناصر (توحید، نبوت، معاد) کا اخلاق کے ساتھ ایک بامعنی پیوند برقرار ہے۔ اسی لیے تو پسندیدہ اخلاق، دین داری کا معیار شمار ہوتا ہے۔ اگر عقیدے کے نسبت اخلاق کا مقام اتنا بلند ہے تو فقہ، حقوق اور احکام کی نسبت اس کا مقام بہ طریق اولی بلند تر ہوگا۔ فقہی

اور حقوقی احکام دراصل وہ احکام ہیں کہ جن کی پابندی اس لیے ضروری ہے تاکہ انسان مفاسد (برائیوں) سے دور رہ سکے اور مصالح (خوبیوں) اور نیک اخلاق کے راستے پر گامزن ہو سکے۔ (۵) یعنی اگر کوئی چیز حرام ہے تو اس لیے کہ اس میں کوئی مفسدہ (برائی) پایا جاتا ہے اور اگر کوئی چیز حلال ہے تو اس لیے کہ اس میں کوئی مصلحت (بھلائی) پائی جاتی ہے اور اگر کوئی کام مباح ہے تو وہ ایک معمولی کام ہے۔

فقہی اور حقوقی امور کو دو گروہوں یعنی عبادات اور معاملات میں تقسیم کیا گیا ہے۔ عبادات میں سے نماز، روزہ، حج اور زکات، مشہور عبادات شمار ہوتے ہیں۔ جہاں تک نماز کا تعلق ہے تو نماز کے بارے میں پوری صراحت سے یہ حکم موجود ہے کہ نماز غیر اخلاقی کاموں سے روکتی ہے۔ (۶) روزے کے وجوب کے اسباب میں سے بھی ایک سبب یہ بیان ہوا ہے کہ روزہ کی حالت میں روزہ دار کے لیے یہ امکان فراہم ہوتا ہے کہ دولت مند، ناداروں اور بھوکوں کے حال سے باخبر رہیں۔ (۷) اس کے ساتھ ساتھ روزہ بدن کی زکات ہے جو مشکلات کے مقابلے میں انسان کی مقاومت کو بڑھاتی ہے۔ ضمناً چونکہ روزہ دار کی نیت خالص ہونا چاہیے، اس سے روزہ داروں میں اخلاقی پختگی ایجاد ہوتی ہے۔

زکات، صدقات اور خدا کی راہ میں انفاق بھی اپنے سماجی اثرات کے لحاظ سے اخلاق کے ساتھ گہرا رشتہ رکھتے ہیں۔ کیونکہ ان امور کی پابندی کا لازمی نتیجہ یہی ہے کہ دولت مند حضرات اپنے اموال کا ایک حصہ فقیروں کے سپرد کریں۔ (۸) صدقات اور انفاق کا ایک اور اخلاقی پہلو یہ ہے کہ ان میں احسان جتلانے اور ناداروں کی ایذاء رسانی کا عنصر نہ پایا جاتا ہو۔ (وگرنہ یہ اعمال باطل ہو جائیں گے) (۹) البتہ یہاں یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ اگر یہ اعمال باطل ہوں، تب بھی ان کا اقتصادی اثر اپنی جگہ باقی رہتا ہے۔ (اور اس سے فقراء کی زندگی میں بہتری آتی ہے)

حج کا فریضہ بھی اپنے اجتماعی اثرات (دنیائے اسلام کے اہم معاملات اور باہمی امور کے حل و فصل کے لیے گفتگو کا موقعہ فراہم آنا) اور اقتصادی برکات (مکہ میں خرچ شدہ رقم کی سرکولیشن اور قربانی کے گوشت کی تقسیم) کے لحاظ سے کثیر اقتصادی فوائد کا حامل ہے۔ اس فریضہ میں کئی انفرادی اثرات بھی پائے جاتے ہیں کہ جن کی بازتاب اپنی نوعیت میں اخلاقی ہے۔ چنانچہ بعض روایات میں آیا ہے:

فجعل فیه الاجتماع من الشرق و الغرب لیتعارفوا و لنزع کل قوم من التجارات و لتعرف رسول الله و یتکلمون علی بلادهم و ما فیها هلکوا... فذلك علة الحج

یعنی: "حج میں مشرق و مغرب کے لوگوں کا اجتماع رکھا گیا ہے تاکہ لوگ ایک دوسرے کو پہچانیں اور ہر قوم تجارت کرسکے اور رسول اللہ ﷺ کے آثار کی پہچان ہو اور لوگ ایک دوسرے کے ممالک کے حالات پر بات کر سکیں اور اپنی ہلاکت کے اسباب پر بات کر سکیں..."

اسی طرح بعض روایات میں حج کو دلوں کی تسکین کا ذریعہ (تسکین القلوب) قرار دیا گیا ہے اور اس امر پر زور دیا گیا ہے کہ حج فقط چند ظاہری اعمال کی بجاآوری نہیں ہے۔ لہٰذا حج کا فریضہ یوں انجام نہ دیا جائے کہ ظاہری حاجی بہت زیادہ اور واقعی حاجی بہت کم نظر آئیں (ما اکثر الضجیج و ما اقل الحجیج)

۳۔ الف) انسان کی تخلیق میں اخلاق مداری

اگرچہ انسان کی تخلیق کا سبب، عبادت بیان ہوا ہے (و ما خلقت الجن و الانس الا لیعبدون) لیکن چونکہ اللہ تعالی کو انسان کی عبادت کی ضرورت نہیں، لہٰذا انسان کی عبادت کا اثر انسان کی سعادت میں ظاہر ہوتا ہے۔ دوسری طرف انسانی سعادت بذات خود اخلاق مدار ہے۔ عبادت کا مطلب ایسا خدا پسند عمل بجالانا ہے جو انسان کی ہوائے نفس کے خلاف ہو۔ ضمناً قرآن کریم میں خدا کی عبادت کو ہر قسم کی بندگی سے آزادی کے مترادف قرار دیا گیا ہے:

قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ(۱۰)

یعنی: "مجھے ان معبودوں کی بندگی سے جن کی تم پرستش کرتے ہوئے منع کیا گیا ہے۔"

روایات میں بھی انسان کی آزادی پر زور دیا گیا ہے:

لاتکن عبد غیرك و قد جعلك الله حرّا

یعنی: "دوسروں کی بندگی اختیار نہ کرو جبکہ اللہ نے تمہیں آزاد قرار دیا ہے۔"

اس میں شک نہیں کہ جو لوگ غیر اللہ کی غلامی میں نہ ہوں، آزاد منش، باعزت اور شرافت مند ہوتے ہیں۔ مفسرین قرآن نے بھی عبادت کو اخلاص اور شناخت کسب کرنے کے معنی میں لیا ہے۔ دوسرے الفاظ میں عبادت وسیلہ ہے اعلی اقدار تک پہنچنے کا اور بذات خود کوئی ہدف نہیں ہے۔ (۱۱) بعض مفسرین نے رواداری، خوش خلقی اور لوگوں سے محبت جیسے اخلاقی رویوں کو عبادت کی روح قرار دیا ہے۔ (۱۲)

۴۔ الف) اخلاق ہدف، دیگر نظام وسیلہ

اسلام کا سیاسی، اقتصادی اور سماجی نظام دراصل، اعلی اخلاقی اور انسانی اقدار کے تحقق کا وسیلہ ہیں۔ مثال کے طور پر "عدالت" ایک اعلی اخلاقی قدر ہے۔ قرآن کریم نے انبیاء کی بعثت کا ہدف قسط و عدل بیان کیا ہے۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ انبیاء کی تمام (سیاسی، اقتصادی اور سماجی) تعلیمات ایک اعلی اخلاقی قدر (عدالت) کے قیام کا وسیلہ ہیں۔ بعض مسلمان دانشوروں نے بھی حکومت کو عدالت کے قیام کا وسیلہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ کہا گیا ہے کہ: لزوم الحکومۃ لبسط العدالۃ یعنی: "حکومت، عدالت کے قیام کے لیے ضروری ہے۔" بعض دیندار اہل نظر کا کہنا ہے کہ دینداری کا معیار، عدالت کا اخلاقی گوہر ہے۔ وہ اس اقتصادی اور سماجی نظام کو دینی قرار دیتے ہیں جس میں عدالت اور دیگر اعلی اخلاقی اور انسانی اقدار حاکم ہوں۔ان کے مطابق دینی حکومت اور معاشرے کا اصل ہدف، عدالت، کرامت اور انسانی شرافت جیسی اعلی اخلاقی اقدار کی حکمرانی ہے۔ لہٰذا اخلاق جہاں سعادت اور مناسب آرام وآسائش کے حصول کا ذریعہ ہے وہاں ایک اعلی ہدف بھی ہے اور دیگر تمام دینی نظام اس تک پہنچنے کا وسیلہ شمار ہوتے ہیں۔

۵۔ الف: کاروباری اخلاق کے بنیادی اصول اور امتیازی خصوصیات

یہاں ہم سب سے پہلے اسلام کے کاروباری اخلاق کے بنیادی اصول اور اس کی امتیازی خصوصیات کی فہرست پیش کریں گے اور اس کے بعد ہر ایک کے بارے میں کچھ توضیحات پیش کریں گے: اسلام کے نکتۂ نظر سے درج ذیل اصولوں کو کاروباری اخلاق کے اساسی اصول قرار دیا جاسکتا ہے:

۱. کاروباری اخلاق کا اپنا ایک مخصوص دائرہ کار ہے اور اس کا اسلام کے دیگر نظاموں (سیاسی، اقتصادی وغیرہ) کے ساتھ ایک معین رابطہ ہے۔
۲. اگرچہ اسلام کا پیش کردہ کاروباری اخلاق کارآمدی اور اقتصادی ترقی کے دیگر عناصر پر زور دیتا ہے لیکن اس کا اصل ہدف انسانیت اور اخلاق کی نگہداشت ہے۔
۳. اسلامی اقتصاد میں کاروباری اخلاق دو نظاموں (اقداری ۔ عقیدتی اور تنظیمی ۔ قانونی) پر استوار ہے۔

۴. اسلامی مملکت میں کاروباری اخلاق، اقتصاد کے دیگر Paradigms میں اخلاق کی تکمیل کرتا ہے اور اسلام کے کاروباری اخلاق میں اجتہاد کا عنصر اُسے گہرائی عطا کرتا ہے۔

۵. افراد کا درونی مراقبت کا نظام (محاسبۂ نفس)، اسلامی بازار پر حاکم سماجی روایات، شریعت کے احکام اور حکومتی قوانین، یہ سب کاروباری اخلاق کی تقویت کا سامان فراہم کرنے کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔

اسلام کے نکتۂ نظر سے کاروباری اخلاق، در حقیقت اسلام کے کلی اقتصادی، معاشرتی نظام کا حصہ ہے اور اس کی افادیت کا دارومدار بھی در حقیقت، اسلام کے دیگر نظاموں کے ساتھ ہم آہنگی پر منحصر ہے۔ مثال کے طور پر جہاں یہ اخلاقی نظام معنوی اور اخروی امور پر توجہ دیتا ہے وہاں اُن مادی امور پر بھی خاص توجہ دیتا ہے جو اس نظام کے ساتھ ہماہنگ ہوں۔ (۱۳) بلکہ اساسی طور پر اسلام کے نکتہ نظر سے مادی اور معنوی امور کے مابین جدایی کا تصور ہی غلط ہے۔ لہٰذا اسلام کے کاروباری اخلاق میں جہاں فضول خرچی (ایک دوسرے پر مادی برتری کی بے جا نمائش) ممنوع ہے وہاں رہبانیت اور ترکِ دنیا بھی ممنوع ہے۔

کاروباری اخلاق کا ایک اور عنصر، مارکیٹ، پرائیویٹ سیکٹر اور سرکاری سیکٹرز کے درمیان ہم آہنگی ایجاد کرنا ہے۔ لہٰذا اگر دکانداروں اور اہلِ بازار کے رویوں پر کاروباری اخلاق حاکم ہو لیکن کارخانوں کے ملازمین اور سیاست دان غلط سمت میں حرکت کر رہے ہوں تو کاروباری اخلاق سے مطلوبہ نتایج حاصل نہیں کیے جا سکیں گے۔ اسلامی اقتصاد میں چونکہ تمام اقتصادی سرگرمیوں کا محور اور مدار انسان اور اخلاق ہے لہٰذا اسلامی اقتصادیات میں کاروباری اخلاق ایک وسیلہ بھی ہے اور ہدف بھی۔ ایک طرف اقتصادی افادیت کے حصول کے لیے کاروباری اخلاق کی پابندی ایک مسلمان کا سماجی اور دینی فریضہ ہے تو دوسری طرف اخلاقی اور انسانی اقدار کی حفاظت، ایک اساسی ہدف ہے۔ جیسا کہ ہم نے اس سے قبل اشارہ کیا کہ پیغمبر اکرم ﷺ نے اپنی رسالت کی تعریف میں، اخلاق کو اپنی منزل تک پہنچانا قرار دیا ہے۔ اسی طرح اسلام کے اقتصادی فقہی احکام بھی اخلاق کی حکمرانی کا وسیلہ ہیں۔

آرتھوڈوکس نیوکلاسیک پیراڈائم کے برعکس، اخلاق زیادہ سے زیادہ انفرادی منافع کے حصول کا ذریعہ نہیں، بلکہ اقتصادی نظام کی پائیداری کا ذریعہ ہے۔ (۱۴) عدالت (اور انصاف)، شفافیت اور صداقت، اعتماد اور احترام متقابل، خلوص نیت، خدا کی بارگاہ میں جواب دہی کا احساس، نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی تشویق، وسیع تر انفرادی منافع کے حصول پر توجہ ،

مصرف(Consumption) اور تولید (Production) میں توازن قائم رکھنے کا حکم، سودی کاروبار اور رشوت کی ممانعت، بغیر بینک بیلنس حوالہ دینا اور اقتصادی وسائل کا اتلاف، اسلامی کاروبار کی اخلاقی اور ایمانی بنیادیں شمار ہوتی ہیں۔ اسی طرح بازار کا نظام، خصوصی مالکیت، فردی حقوق پر اجتماعی حقوق کی برتری، قرض الحسنہ، وقف، مشارکت، مضاربہ، خمس، زکات، صدقات اور اس طرح کے دیگر امور بھی اسلامی کاروبار کی قانونی اور تنظیمی بنیادیں شمار ہوتی ہیں۔

اسلام کا پیش کردہ کاروباری اخلاق اور کاروباری اخلاق کے دیگر نظام، ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں۔ لہٰذا اسلامی اخلاق کو کاروباری اخلاق کی ایک خاص قرائت قرار دیا جاسکتا ہے۔ اسلام کے کاروباری اخلاق میں اجتہاد کا عنصر کاروبار کے مخصوص نظام پیش کرنے اور پہلے سے موجودہ نظاموں کی اصلاح میں علمی لحاظ سے مدد فراہم کرتا ہے۔ اجتہاد، کاروباری اخلاق کے نظریات میں پائی جانے والی دشواریوں کا جائزہ لیتا ہے اور ۲۱ ویں صدی میں وسیع پیمانے پر پیش آنے والی تبدیلیوں پر توجہ رکھتے ہوئے ان کا حل نکال سکتا ہے اور اسے اس لحاظ سے گہرائی عطا کرسکتا ہے۔ اسلامی بازار پر حاکم رسومات، ملازمین کا فردی ایمان، شریعت کے قوانین اور سرکاری احکامات کا اور باری اخلاق کو ہماہنگ کرنے کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ (ذیل میں ہم فوق الذکر عناصر کے چند نمونے بیان کریں گے)

ب۔ اسلام کے نکتہ نظر سے کاروباری اخلاق کے چند نمونے

یہاں ہم اسلام کے مد نظر کاروباری اخلاق کے وہ سنہری اصول بیان کریں گے جو صدر اسلام میں (۶۶۱ بمطابق ۶۲۲ عیسوی) اور اسلامی تمدن (۶۶۱ سے ۱۲۵۸ تک) میں ہمیشہ اسلامی حکومتوں کی اقتصادی قانون سازی کا رہنما اصول رہے۔ لہٰذا ہم ذیل میں پیداوار (Production)، تقسیم (Distribution)، نرخوں کی تعیین، منفعت، اجناس کی کیفیت، دیگر اقوام کے ساتھ کاروبار میں اخلاقی ضابطوں کی پابندی، حکومت کے کردار اور چند تکمیلی ضوابط کے ایسے نمونے بیان کریں گے جن سے اسلام کے پیش کردہ کاروباری اخلاق کے سنہری اصول واضح ہو سکیں۔ ہاں! اس امر کی یاد دہانی بھی ضروری ہے کہ اگرچہ یہ چند نظری شواہد صدر اسلام کے بازار کی کارکردگی اور اسلامی تمدن کی حاکمیت کے عصر کے بازار کی کارکردگی کا نمونہ پیش کرتے ہیں لیکن ہماری بحث کا طریقہ نظریاتی (Theoric) ہے۔

دوسرے الفاظ میں ان نمونوں کا بیان تنہا مذکورہ دور میں (سرکاری اور پرائیویٹ سیکٹر میں) اقتصادی فعالیت دکھانے والوں کی کارکردگی رپورٹ کا بیان ہے۔(۱۵)

۱۔ پیداوار، کام اورپیداورای سرگرمیاں

کئی آیات اور روایات پیداوار اور پیداواری سرگرمیوں پر تاکید کرتی ہیں اور ایسا کرنے والے کو دنیاوی اور اخروی پاداش کی خوشخبری سناتی ہیں۔ان روایات کے مطابق ایسا کام کرنا جس سے پیداوار میں اضافہ ہو، عبادت ہے۔ایک روایت میں یہ تصریح ہوئی ہے کہ : "نماز بجالانے کے بعد کاروبار کے درپے ہو جاؤاور اللہ تعالی کی روزی سے استفادہ کرو۔" (۱۶) ایک اور مقام پر ارشاد ہوا ہے: " ہم نے نیک اعمال کا بدلہ مد نظر رکھا ہے جو معمولی سی کوشش بھی کرے گا، اُس کا بدلہ پائے گا"۔ (۱۷) روایت میں ہے: " جو شخص سامان زندگی مہیا کرنے کی غرض سے کام کرے وہ اس شخص کی مانند ہے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے"۔ (۱۸) نیز اس امر پر بھی تصریح ہوئی ہے کہ جو شخص جان بوجھ کر بے کار بیٹھا رہے وہ زندہ لوگوں کی صف سے خارج اور مُردوں کی صف میں شامل ہو جاتا ہے"۔(۱۹)

اسلام میں کاروبار اور پیداوار کے اخلاقی ضوابط میں سے ایک اور اہم ضابطہ مفید کام انجام دینا ہے۔ایک روایت میں تصریح ہوئی ہے کہ ہر انسان کی قدر و قیمت اس کے عمل کی افادیت (حسن) سے وابستہ ہے۔(۲۰) یعنی ناپختہ کام کی نسبت پختہ کام کی قدر و قیمت زیادہ ہے۔قرآن و رویات میں کھیتی باڑی اور صنعت جیسے پیداواری کاموں پر تاکید بھی اسلامی اقتصاد میں کاروبار کے اخلاقی ضوابط میں سے ایک اور ضابطہ ہے۔ مالی سرمایہ نہ ہونے کے باوجود حوالہ دینے کی حرمت بھی اسلامی اخلاق کا ایک مفید عنصر ہے۔(۲۱)

۲۔ مبادلہ اور توزیع (Transit & Distribution)

صدر اسلام میں بازار اور تجارتی سرگرمیوں کو خاص اہمیت حاصل تھی اور اسلامی تمدن کے زمانے میں اس میں مزید وسعت آئی۔ لہٰذا بازاروں اور تاجروں کو ایک خاص اہمیت حاصل رہی۔اس امر پر زور دیا گیا کہ (کاروبار ار تجارت کے احکام کی پابندی کرتے ہوئے) کاروبار اور تجارت میں داخل ہونا انسان کی تعقل اور تدبر کو قوت کو افزائش بخشتا ہے۔جو شخص کاروبار شروع کرنا چاہے، اس میں چند شرائط کا پایا

جانا ضروری ہے۔ منجملہ یہ کہ سودی کاروبار (اور کوئی ایسا معاملہ جو پیداوار نہ بڑھائے اور غیر مجاز ہو) نہ کرے۔ دوسرا یہ کہ معاملہ میں قسم نہ کھائے۔ تیسرا، یہ کہ مال میں موجود نقائص اور خامیاں نہ چھپائے۔ (۲۲) تجارت میں سچائی پر بہت تاکید ہوئی ہے اور یہ حکم پوری صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ جو تاجر اپنی فعالیت میں سچائی کا پاس رکھے اور امین ہو، قیامت کے دن وہ انبیاء اور شہداء کے ساتھ محشور ہو گا۔ (۲۳) اس کے برعکس، اگر کوئی شخص معاملہ میں صداقت سے کام نہ لے تو وہ ایک انتہائی بھیانک صورت میں محشور ہو گا۔ (۲۴) اجناس یا سروسز کے بارے میں غلط بیانی یا جھوٹی تشہیر اور دھوکہ دہی نیز ان ناجائز امور میں سے ہیں جو اسلام کی نظر میں کاروبار میں ممنوع ہیں۔ یہ امور روایات میں "غرر"، "بخس"، "تدلیس" اور اس طرح کی عبارات میں بیان ہوئے ہیں اور ان سب چیزوں کو حرام قرار دیا گیا ہے۔

۳۔ قیمت، منافع، اور مالی واجبات کی ادائیگی

منصفانہ منافع کا حصول، پیداواری اخراجات کے ساتھ میل کھاتی قیمت کا تعین، مالی واجبات اور مستحبات کی ادائیگی، اسلامی شریعت میں کاروباری اخلاق کے دیگر ضوابط شمار ہوتے ہیں۔ اصولی طور پر قیمتوں کا تعین بازار کے احاطے میں طے پاتا ہے اور حکمران قیمتوں کی تعیین میں تنہا ہنگامی حالات میں دخالت کرتے ہیں۔ ایسے حالات میں جب ذخیرہ اندوزی، انحصار طلبی یا مصنوعی بحران ایجاد کر دیا جائے یا سمگلنگ ہونے لگے۔ خرید و فروخت میں نرم روی، کم منافع پر راضی ہو جانا، اور حاصل شدہ منافع سے کچھ رقم صدقے کے طور پر دے دینا، اسلامی شریعت کے مد نظر کاروباری اخلاق کے احکامات میں سے اہم احکام ہیں۔ (۲۵)

یہاں ایک قابل توجہ امر یہ ہے کہ صدقات کی رقم، زکات کی واجب مقدار میں شامل نہیں ہے کیونکہ زکات ایک شرعی ٹیکس ہے، جس کی ادائیگی ایک واجب فریضہ ہے تاکہ اس رقم سے معاشرے سے فقر کے خاتمہ کی راہ میں استفادہ کیا جاسکے۔ دیگر صدقات تو مستحب ہیں جو تاجر بازار میں توازن قائم رکھنے اور سماجی عدالت کے قیام کے لیے خرچ کرتے ہیں۔ اسلام کے کاروباری اخلاق کی روشنی میں بازار کی رائج قیمت سے زیادہ قیمت وصول کرنا اور کم فروشی گناہ شمار ہوتے ہیں۔ (۲۶) کاروبار میں ناپ تول کے دقیق پیمانوں کے استعمال پر تاکید، اور عدل و انصاف کا خیال رکھنا، اسلام میں کاروباری اخلاق کا ایک اور

اصول ہے۔ (۲۷) اسی طرح اس امر پر بھی تاکید ہوئی ہے کہ اجناس کا نرخنامہ ایسا ہو جس پر دکاندار اور خریدار دونوں راضی ہوں اور یہ قیمت اقتصادی حالات و شرائط کے مطابق طے کی گئی ہو۔ (۲۸)

۴۔ بیرونی تجارت اور کاروباری اخلاق میں حکومت کا کردار

اسلامی روایات اور پیغمبر اکرم ﷺ کی عملی سیرت کے مطابق بیرونی ممالک سے آنے والے تاجر ایک خاص احترام کے مستحق ہیں اور ان کے اموال کی حفاظت ضروری ہے اور اگر اسلامی مملکت میں ہوتے ہوئے ان کے سرمائے کو کوئی نقصان پہنچے تو اسلامی مملکت کا فریضہ ہے کہ انہیں خسارت ادا کرے۔ روایات میں ایسے تاجروں کو خدمت اور ثروت کے منابع کی حیثیت حاصل ہے جو تولیدی فعالیت انجام دیتے ہیں۔ لہٰذا ایسے تاجروں کو امن و امان حاصل ہونا چاہیے اور ان کی حیثیت محفوظ رہے۔ مزید یہ کہ ایسے تاجر اسلامی مملکت کے مہمان شمار ہوتے ہیں۔ اسی طرح تاکید ہوئی ہے کہ ان لوگوں کو ٹیکسز میں چھوٹ دی جائے۔ (بلکہ بعض مواقع پر ان سے ٹیکس نہ لیا جائے)

بیرونی سرمایہ کاری پر توجہ کے ساتھ ساتھ حکومت کا یہ بھی فریضہ ہے کہ کاروباری اخلاق کی فضا حاکم کرنے کا ماحول فراہم کرے۔ مختلف صنعتوں اور پیشوں کے اصحاب کے ساتھ روابط اور ان کی مشفقانہ اور تربیتی سرپرستی، کاروباری فعالیت انجام دینے کی اجازت اور بازار میں غیر ضروری اور غیر معقول دخالت نہ کرنا، بازاریوں کے حوالے سے اخلاقی قواعد کی پابندی، بازار میں نظم و ضبط کی حکمرانی اور (ذخیرہ اندوزی، انحصار طلبی، رشوت ستانی اور دلالی جیسی) تخریبی اور غیر اخلاقی حرکتوں کی روک تھام اور ایسے دیگر جرائم کی روک تھام حکومت کا فریضہ ہے۔ (۲۹)

ایک مرتبہ جب بازار میں مہنگائی کا دور دورہ تھا، لوگوں نے پیغمبر اکرم ﷺ سے درخواست کی کہ آپ نرخ معین کر دیں۔ آپ نے فرمایا کہ حقیقی نرخ معین کرنے والا اور رازق خدا ہے۔ (۳۰) البتہ جب نرخوں میں اضافے کا سبب بد نظمی یا قانون شکنی ہو تو اس صورت میں حکومت طے شدہ طریقے سے بازار میں دخالت کرتی ہے۔ لیکن بہر صورت حکومت اہل بازار سے بہت صمیمیت اور دوستانہ انداز میں پیش آتی ہے اور اس رویے کا اخلاقی پہلو بھی بالکل واضح اور قابل مشاہدہ ہے۔

مثال کے طور پر مسلمانوں کا حاکم بازار کا دورہ کرتا ہے اور بعض اوقات تو اہل بازار کے لیے گویا ایک طرح سے کاروباری اخلاق کی کلاس لیتا ہے اور اپنے خطاب میں ارشاد فرماتا ہے: " اس سے قبل کہ تجارت

شروع کرو، اس کے احکام اور قوانین سیکھو"۔ اسی طرح صدر اسلام کے بازار پر ایک خاص باضابطہ اخلاق حاکم تھا۔ بازار کی ایک روش یہ تھی کہ اگر خریدار، مال کی خرید سے پشیمان ہے تو یہ مال دکاندار کو واپس لوٹا سکتا ہے۔ جب ایک دکاندار یہ قانون توڑا اور بعض دیگر اخلاقی ضوابط کی پاسداری نہ کی تو پیغمبر اکرم ﷺ نے حکم دیا کہ یہ شخص فقط اس صورت میں کاروباری سرگرمیاں جاری رکھ سکتا ہے جب مربوطہ ضوابط کی پابندی کرے گا۔ (۳۱) اسی طرح جب پیغمبر اکرم ﷺ نے دیکھا کہ ایک کاروباری معاملہ تاریکی میں طے پا رہا ہے تو آپ نے اس معاملے کو ایک طرح کا فراڈ قرار دیا اور اس کی مخالفت کی۔ (۳۲) اس کے علاوہ اسلامی ریاست میں حکومت بازار کی کارکردگی پر نظر رکھنے کے لیے خود اہل بازار میں سے بعض افراد کو ناظر کے طور پر معین کرتی ہے۔

۵۔ اسلام کے نکتۂ نظر سے کاروباری اخلاق کے تکمیلی عناصر

مذکورہ بالا نمونوں کے علاوہ بھی اسلام کے نکتۂ نظر سے کاروبار کے حوالے سے چند دیگر اخلاقی ضابطے پائے جاتے ہیں کہ جن کی طرف ہم یہاں اشارہ کر دیتے ہیں۔ اسلامی شریعت میں بعض امور واجب ہیں جن کا بجالانا ضروری ہے اور ترک رکنا جائز نہیں ہے۔ یہ احکام جہاں فرد کے لیے ہیں، وہاں معاشرے (بشمول حکومت) کے لیے بھی ہیں۔ مثال کے طور پر معاشرے کی روزمرہ کی ضروریات کو پورا کرنا ایک واجبی فریضہ ہے۔ اسی طرح تجارت اور دیگر کئی کاروباری سرگرمیاں مستحب ہیں اور ان سرگرمیوں پر (مادی اور سماجی اجر کے علاوہ) اخروی اور معنوی اجر بھی معین کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ بعض سرگرمیوں کو حرام (ممنوع) اور بعض کو مکروہ قرار دیا گیا ہے۔ سودی کاروبار، رشوت، جوا، جھوٹا حوالہ اور اس طرح کی دیگر سرگرمیاں حرام شمار ہوتی ہیں۔ غیر طبیعی انحصار طلبی اور ذخیرہ اندوزی بھی کاروباری اخلاق کے خلاف ہے۔ (۳۳) اسلام میں تاجروں کو یہ وصیت ہوئی ہے کہ وہ خالص نیت کے ساتھ اور خدا کی رضا کے حصول کے لیے (اور خدمت خلق کے جذبے سے) کاروبار شروع کریں۔ نیز تولید اور فروخت میں فقیروں کا خیال رکھیں۔ کاروبار کے دوران آخرت کی یاد سے غافل نہ ہوں اور نہ ہی شرعی ٹیکس ادا کرنے میں غفلت برتیں۔ (۳۴) اسی طرح اس امر پر بھی تاکید ہوئی ہے کہ کاروباری حضرات اپنے دن رات کا ایک حصہ غیر اقتصادی سرگرمیوں میں گزاریں۔ نیز ترکِ دنیا اور تجمل پرستی سے پرہیز کریں اور خرچ کرتے وقت درمیانہ راستہ اپنائیں۔ (۳۵) اپنے غلاموں اور ملازمین کا معاوضہ فوری طور پر ادا کریں۔

اور معاملات میں خود بھی ضرر نہ اٹھائیں اور دوسروں کو بھی ضرر نہ پہنچائیں اور خریدار کو اجناس کی صحیح کوالٹی بتائیں۔ (۳۶) نیز تجارت میں معاملہ کے تمام اطراف کا راضی ہونا بھی ضروری ہے اور جن امور میں انہیں لازمی مہارت یا معلومات نہ ہوں ان میں ماہرین کی طرف رجوع کریں۔ معاملہ میں ایک دوسرے سے خیانت نہ کریں، وغیرہ وغیرہ۔

پ۔ چند قابل ذکر نتائج

۱. کاروباری اخلاق پر توجہ، نہ صرف سماجی اقدار کی تقویت کا سبب بنتی ہے بلکہ یہ مینجمنٹ اور اقتصادی نظاموں کی افادیت کو بڑھانے کا موجب بھی ہے۔ کاروباری اخلاق مختلف حالات میں بہتر فیصلے کرنے میں بھی مدد دیتا ہے۔

۲. اسلامی اقتصادیات کے نکتۂ نظر سے کاروباری اخلاق جہاں اقتصادیات کی افادیت بڑھانے کا ایک ذریعہ ہے، وہاں خود ایک ہدف بھی ہے جسے پورا ہونا چاہیے۔ کیونکہ اسلامی اقتصاد اگرچہ افادیت پر بہت زور دیتا ہے لیکن یہ اپنی ماہیت میں اخلاق مدار ہے۔

۳. اسلامی اقتصاد پر ایک خاص نظام حاکم ہے، لہٰذا اسلام کے پیش کردہ کاروباری اخلاق کی افادیت کا پہلو، اُس کے معنوی پہلو سے جدا نہیں ہے۔ لہٰذا یہ دونوں ایک دوسرے کی تقویت کا سبب بنتے ہیں۔ کیونکہ جہاں معیاری کام انجام دینا کاروباری اخلاق کا جزء شمار ہوتا ہے (قیمة کل امرء مایحسنه) (۳۷) وہاں اخلاقی ضوابط کو پس پشت ڈال کر کاروبار کرنا بھی شریعت کے خلاف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مکر و فریب اور دھوکہ دہی سے کمائی گئی دولت، گاہک کو مال کے بارے میں غلط انفارمیشن دینا، ذخیرہ اندوزی، انحصار طلبی، رشوت اور سود وغیرہ حرام ہیں۔ کیونکہ اس سے سماجی اخلاق خدشہ دار ہوتا ہے اور یہ امور شہریوں پر ظلم کا سبب ہیں۔ اسی طرح (اقتصادی) منابع کا ضیاع بھی حرام ہے کیونکہ اس سے افادیت متاثر ہوتی ہے۔

۴. اگر اسلام کے پیش کردہ کاروباری اخلاق کو اپنایا جائے تو بازار پر صداقت، عدالت، باہمی اعتماد، اور معیار کے مطابق اجناس کی تولید کا ماحول ایجاد ہوتا ہے، اقتصادی امن فراہم ہوتا ہے اور طولانی مدت میں افادیت میں اضافہ ہوتا ہے۔

۵. اگر اسلام کے پیش کردہ کاروباری اخلاق کو اپنایا جائے تو اس سے نہ تنہا غیر اسلامی کاروباری اخلاق کے تقاضے پورے ہوتے ہیں بلکہ اس سے غیر دینی (سیکولر) کاروباری اخلاق کے تقاضے بھی پورے ہوتے ہیں کیونکہ اسلام کے کاروباری اخلاق کی بنیاد ایک ایسے عقیدے پر قائم ہے جو بیشتر فعالیت اور طاقت ایجاد کرتا ہے۔

۶. کاروبار میں اصل محور انسان کی انسانیت ہے اور سرمایہ، منفعت اور پیداوار وغیرہ تو انسانی اقدار ہیں۔

۷. اخلاق مداری کے غیر سنجیدہ اور سطحی تصور کے برخلاف، اسلام کا پیش کردہ کاروباری اخلاق، مادی امور سے گریز، افراطی زہد اور بے فائدہ قناعت کے معنی میں نہیں، بلکہ رقابت، افادیت اور (اقتصادی) رشد کے ساتھ ہمراہ ہے۔

۸. (دیگر کاروباری حضرات کی مانند) خود حکمرانوں کا بھی یہ فریضہ ہے کہ وہ کاروباری اخلاق کے پابند ہوں اور اس کی تقویت اور مضبوطی کا ماحول فراہم کریں۔

۹. پرائیویٹ سیکٹر میں ڈائریکٹرز اور افسرانِ بالا کو کاروباری اخلاق پر توجہ دیتے ہوئے کاروباری مراکز میں دوستانہ اور باہمی اعتماد کا ماحول ایجاد کرنا چاہیے۔ کیونکہ اس سے مینجمنٹ میں پائیداری آتی ہے اور اس سے کاروباری مراکز کی افادیت بڑھ جاتی ہے۔

۱۰. سرکاری شعبے میں بھی منیجرز حضرات تشویق اور توبیخ کے اصولوں کی روشنی میں سماجی سرمایہ تولید کر سکتے ہیں۔

حوالہ جات

۱. Row (1993), p.8.-1

۲. ابن ہندی (۱۹۸۵)؛ الاسلام حسن خلق

۳. احب عباد اللہ الی اللہ احسنھم خلقا

۴. مجلسی (۱۳۷۸) ج ۷۱، ص ۳۸۳۔

۵. مسلمان دانشور اور فقہاء کی تصریح ہے کہ شرعی احکام کا دائرہ مفاسد اور مصالح ہے۔

۶. ان الصلاۃ تنھی عن الفحشاء و المنکر (قرآن، سورہ ۲۹، آیہ ۴۵)

۷. العلۃ فی الصیام لیستوی الغنی و الفقیر لان الغنی لم یکن لیجد مس الجوع فیرحم الفقیر

۸. و فی اموالھم حق للسائل و المحروم (سورہ ذاریات۔ آیت ۱۹)

۹. لاتبطلوا صدقاتکم بالمن و الاذی (سورہ بقرہ، آیہ، ۲۶۴)

۱۰. انعام/۵۶۔ نیز سورہ غافر کی آیہ ۶۶ کو دیکھا جائے۔

۱۱. طباطبائی (۱۳۹۷)، ج ۱۸۔

۱۲. رازی (۱۴۱۳)۔

۱۳. و ابتغ فیما اتاک اللہ (سورہ ۲۸، آیہ ۷۷)

۱۴. برجستہ اقتصادی صاحبان نظر کا عقیدہ بھی یہی ہے کہ اقتصاد اور اخلاقی امور کو مکینکی طور پر ایک دوسرے سے جدا کرنا اس رشتہ کی ناکارآمدی کا عامل بنا ہے۔

۱۵. بدقسمتی سے صدر اسلام کے محدود دورانیہ اور اسلامی تمدن کے چند مقاطع کے علاوہ، اسلامی کاروباری اخلاق کا دیگر عصور میں تجربہ نہیں کیا گیا۔

۱۶. فاذا قضیت الصلاۃ۔۔ (سورہ ۶۲، آیہ ۱۰)

۱۷. سورہ کہف آیہ ۳۰ و سورہ زلزال آیہ ۷ دیکھیے۔

۱۸. الکاد علی عیالہ کالمجاھد فی سبیل اللہ

۱۹. من تعطل انسلخ من الانسانیۃ و صار فی عداد الموتی

۲۰. قیمۃ کل امرء ما یحسنہ

۲۱. پیغمبر اکرم ص نے تلقی رکبان سے حاصل شدہ درآمد کو کہ جو محض واسطہ تھا اور ایک مولد کام نہ تھا، حرام قرار دیا ہے۔ یہ کام غیر مولد فعلایت (مانند سفتہ بازی محض) کی حرمت کا شاخص ہے۔

۲۲. من باع و اشتری فلیحفظ خمس خصال و الا فلا یشترین و لا یبیعن الربا و الحلف و کتمان العیب و ۔۔۔ (رجوع کریں: محدث، مستدرک الوسائل، ۱۳۸۳، ج ۲ ص ۴۶۳)

۲۳. التاجر الصدوق الامین مع النبیین الصدیقین و الشھداء

۲۴. ان التجار یبعثون یوم القیامۃ فجارا الا من اتقی اللہ و صدق

۲۵. رحم اللہ عبدا سمحا اذا باع و سمحا اذا اشتری

۲۶. قرآن کریم میں اس نکتہ پر تصریح ہوئی ہے: ویل للمطففین (مطففین، آیات ۱ تا ۴)

۲۷. نمونے کے طور پر قرآن کریم میں آیا ہے: وزنو بالقسطاس (شعراء، ۱۸۱، ۱۸۲ اور سورہ ہود، آیات ۸۴ و ۸۵)

۲۸. اسلامی فقہ کا یہ ایک معروف قاعودہ ہے: لا بیع (و الشراء) بیعا سمحا بموازین العدل و لا اسعار لاتجحف بالفریقین من البایع و المبتاع (دیکھیے: ابن شعبہ، تحف العقول، ۱۴۰۴، منشورات المدرسین، ص ۱۴۰)

۲۹. اس حوالے سے یہ عبارت ملاحظہ ہو: ان من الواجبات الدولة تجاہ التجار و ذوی الصناعات [الخارجیة] : الف۔ ضمان ما تضیع لھم۔ ب۔ ان یقوم بنفقاتھم۔ پ۔ توفیر الامن لسبلم۔ ت۔ حفظ حرمتھم (ابن ہندی، کنزالعمال، مصدر المذکور، ج ۴، ص ۵۵)

۳۰. ان اللہ ھو المسعر القابض الباسط الرازق (ابن عیسی، ترمذی، دون تاریخ، جامع الصحیح، بیروت، دار الاحیاء)

۳۱. ان رسول اللہ (ص) لم یاذن لحکیم ابن حزام فی تجارتہ حتی ضمن لہ اقالة النادم و انظار المعسر و اخذ الحق وافیا (دیکھیے: عاملی، حر، وسائل الشیعہ، مکتبۃ الاسلامیۃ ۱۳۸۵، ص ۲۸۶)

۳۲. آپ ﷺ نے مذکورہ بازاری سے فرمایا: ان البیع فی الظلال غش و الغش لایحل یعنی: تاریکی میں فروخت، ایک طرح کی دھوکہ دہی ہے اور دھوکہ دہی جائز نہیں ہے۔"

۳۳. سود پر سخت ترین حملے قرآن کریم میں ہوئے ہیں۔ (سورہ بقرہ آیات ۲۷۶ تا ۲۷۸) اسی طرح رشوت لینے والا اور رشوت دینے والا جہنمی قرار دیے گئے ہیں۔ ذخیرہ اندوزی کرنے والا بھی خائن قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ روایات میں ہے کہ: من احتکر فھو خاطی: یعنی جس نے ذخیرہ اندوزی کی وہ خطاکار ہے۔

۳۴. رجال لاتلھیھم تجارۃ (نور، آیہ ۳۷)

۳۵. الذین اذا انفقوا ( )

۳۶. لاضرر و لاضرار اور نھی النبی عن الغرر جیسے احکام اور قواعد اس امر کے نمونے ہیں۔

۳۷. یعنی ہر شخص کی قدر و قیمت کا دارومدار اس شخص کے کام کے معیار پر منحصر ہے۔

مسند امام زید کا تحقیقی جائزہ

ڈاکٹر سید حیدر عباس واسطی *

dr.shawasti@yahoo.com

کلیدی کلمات: مسند امام زید، ابو خالد واسطی ، بنی اُمیہ، بنی عباس، زیدیہ، شیخ محمد ابو زہرہ مصری۔

خلاصہ:

حضرت زید بن علی کی ۱۲۲ ہجری میں شہادت کے بعد اُن سے منسوب زیدیہ فرقہ وجود میں آیا۔اس فرقہ کی ایک اہم کتاب مسند امام زید کے نام سے مشہور ہے۔ بعض لوگوں کے مطابق حضرت زید کی شہادت کے آپ کے شاگرد عمرو بن خالد اور ابو خالد واسطی نے آپ سے سُنی ہوئی احادیث اور فقہی آراء کو دو کتابوں کی صورت میں شائع کیا۔ عبد العزیز بن اسحٰق بقال نے ۳۶۰ھ میں ان کتابوں کو دوبارہ جمع کرنے کا کام مکمل کیا اور یہ کتابیں ۱۳۴۰ھ میں مُسند امام زیدؑ کے نام سے ایک کتاب کی شکل میں قاہرہ سے شائع ہوئیں۔

پاکستان میں زیدیہ فرقے کو فروغ دینے کی کوشش کی تسلسل میں مُسند امام زیدؑ کا ترجمہ شائع کیا گیا۔اس مقالہ میں اس کتاب کا تحقیقی جائزہ لیا گیا ہے۔ مقالہ کے مطابق یہ اس کتاب کا حضرت زید شہید کے فرمودات سے کوئی تعلق نہیں ہے اور اِس مجموعے کو اُن کی طرف نسبت دینا نہ تنہا علمی خیانت بلکہ ایک منظّم سازش ہے۔ مقالہ نگار کے مطابق یہ کتاب دراصل، شیخ واسعی کی کاوش ہے۔

* ۔ ایم اے اسلامک اسٹڈیز، ایل ایل بی، پی ایچ ڈی (جامعہ کراچی)

چونکہ حضرت زید شہید بن حضرت امام زین العابدین علیہ السلام تاریخ اسلام کی ایک اہم علمی شخصیت ہیں۔آپ نے ۱۲۲ ہجری میں بنواُمیہ کے فسق وفجور کے خلاف امر بالمعروف وَ نہی عن المنکر کے احیاء کے لیے قیام کیااور ایک خونریز جنگ لڑتے ہوئے جام شہادت نوش کیا۔ حضرت زید شہید علیہ السلام کے علم و عمل کی شہرت کے سبب اُن کی شہادت کے بعد ایک فرقہ وجود میں آیا، جس کے مشاہیر نے اس فرقہ کو حضرت زید شہید علیہ السلام کی طرف منسوب کر دیا جو زیدیہ کے نام سے مشہور ہوا۔ وقت کے ساتھ ساتھ لوگ حضرت زید شہید کی علمی خدمات سے معترف ہوئے، تو اس فرقے میں لوگ جوق در جوق شامل ہونے لگے۔زیدیہ فرقہ کے مشاہیر نے حضرت زید شہید کی بیان کردہ احادیث اور فقہی آراء پر مشتمل ایک کتاب روشناس کرائی۔اس کتاب کے حوالے سے لوگوں کو یہ گُمان ہو گیا کہ حضرت زید شہید نے کسی موقع پر دعویٰ امامت کیااور ائمہ اہلبیتؑ حضرت امام محمد باقر اور حضرت امام جعفر صادق علیہما السلام کی مخالفت کی اور حضرت زید شہید کے متعلق بنو اُمیہ اور بنو عباس کی جانب سے کیے گئے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر آپ سے بد ظن ہو گئے۔آج کل پاکستان میں میں بھی کچھ لوگ اس فرقے کو فروغ دے رہے ہیں اور مُسند امام زیدؑ نامی کتاب کا ترجمہ شائع کیا گیا ہے، جس کے سبب علم دوست افراد کی ایک بڑی تعداد حضرت زید شہید کی طرف منسوب کتاب مُسندِ امام زیدؑ کی اسناد کے متعلق جاننا چاہتی ہے، لہٰذا ہم نے اس مقالے میں اسی کتاب کا تحقیقی جائزہ لیا ہے۔

مُسند امام زیدؑ نامی کتاب زیدیہ فرقہ کی عمومی کتب میں شمار کی جاتی ہےاور مختلف ادوار میں مجموع الفقہی وَ الحدیثی ، مجموع الحدیثی وَالفقہی اور مسند امام زیدؑ کے نام سے مختلف بلاد عرب میں شائع ہوتی رہی ہے۔ اس مقالے میں مسند امام زیدؑ پر بحث کی گئی ہے، کیونکہ مُسند امام زیدؑ کی تالیف اور اشاعت کے حوالے سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ ۱۲۲ ہجری میں حضرت زید شہید اور ۱۲۵ ہجری میں اُنکے بیٹے حضرت یحییٰ بن زید کی خراسان کے شہر سرخس میں بنواُمیہ کے ہاتھوں شہادت کے پے در پے واقعات کے دوران، حضرت زید شہید کے تلامذہ کی ایک بڑی تعداد بھی جو اُنکے ساتھ جہاد میں شریک تھی، شہید ہو گئی اور حضرت زید شہید کے زندہ بچ جانے والے ایک شاگرد عمرو بن خالد جو ابو خالد واسطی کے نام سے معروف ہوئے۔ اُنہوں نے حضرت زید شہید کی تعلیمات کو عام کرنے کی غرض سے حضرت زید شہید سے سُنی ہوئی احادیث اور فقہی آراء کو دو کتب مجموع الفقہی اور مجموع الحدیثی کے نام سے تالیف کرکے

روشناس کرایا۔ یہ کتب دوسری صدی ہجری میں فقہ اور حدیث کی باقاعدہ کوئی کتاب نہ ہونے کے سبب بے پناہ مقبول ہوئیں اور دوسری صدی ہجری میں لکھی جانے والی فقہ اور احادیث کے موضوع پر اولین کتب قرار پائیں۔ مگر کچھ کم فہم افراد نے فقہ واحادیث کے حوالے سے موطاء امام مالک نامی کتاب کو فقہ و حدیث کی اوّلین تصنیف قرار دیا جو حقائق کے بالکل منافی ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ عباسی حکمران ابو جعفر منصور ۱۳۷ ہجری میں تخت حکومت پر بیٹھا تو مجموع الفقہی اور مجموع الحدیثی کی شہرت دیکھ کر اُسے خوف لاحق ہوگیا کہ عراق میں موجود جہادی قوتیں حضرت زید شہید کی پیروی کرتے ہوئے کسی بھی وقت اُسکی حکومت کے خلاف اُٹھ کھڑی ہوں گی، لہٰذا اُس نے اہل عراق کو اہلبیت رسول ﷺ سے دور کرنے اور بنو عباس مخالف تحریکوں میں شمولیت سے اُنہیں باز رکھنے کے لیے یہ تدبیر نکالی کہ فقہ اور حدیث کے موضوع پر ایک کتاب تصنیف کرا کر پورے ملک میں رائج کی جائے اور مجموع الفقہی اور مجموع الحدیثی کو منظر عام سے ہٹا دیا جائے۔ ابو جعفر منصور نے اس مقصد کے پیش نظر مدینہ منورہ کا دورہ کیا جہاں اُس نے علماء عامّہ کی معروف شخصیت امام مالک سے ملاقات کی اور اُنہیں اپنی اس خواہش سے آگاہ کیا جسے ابو مصعب نے اس طرح نقل کیا ہے:

أن أبا جعفر قال لمالك ضع للناس كتاباً أحملهم عليه (۱)

ابو جعفر نے مالک سے کہا ایک ایسی کتاب تصنیف کرو، جس پر میں لوگوں کو عمل کراؤں۔

ابو جعفر منصور کی خواہش سُن کر امام مالک نے جواب دیا:

ان أهل العراق لا يرضون علمنا (۲)۔

اہل عراق ہمارے علم پر راضی نہیں ہونگے، جس پر ابو جعفر منصور نے امام مالک سے کہا:

فقال أبو جعفر يضرب عليه عامتهم بالسيف وتقطع عليه ظهورهم بالسياط وفي بعضه۔ (۳)

ابو جعفر نے کہا! ہم اپنی تلواروں سے اُنکے عام لوگوں کو قتل کرینگے اور بعض کو کوڑے ماریں گے۔

ابو جعفر منصور کے مُسلسل دباؤ پر اُسکی خواہش اور ہدایت کے مطابق امام مالک نے الموطاء کی تصنیف کا کام شروع کیا۔ دوسری طرف عباسیوں نے اس کتاب کو رائج کرنے کے لیے راہ ہموار کرنے کی غرض سے کوفہ میں رہائش پزیر ابو خالد واسطی کی کردار کشی شروع کردی، جس سے دلبرداشتہ ہو کر ابو خالد واسطی

کوفہ سے ترک سکونت اختیار کرکے واسط منتقل ہوگئے اور وہیں ۱۵۰ □ ہجری میں ان کا انتقال ہوا (۴)۔ ابو خالد الواسطی کی کردار کشی کا مقصد لوگوں کو حضرت زید شہیدؑ کی تعلیمات پر عمل کرنے سے روکنا تھا۔ ابو جعفر نے امام مالک سے کتاب کی تالیف کی خواہش کا اظہار ۱۴۸ □ ہجری میں کیا تھا، مگر امام مالک اپنی تصنیف ابو جعفر منصور کی زندگی میں پوری نہ کرسکے، جس کا ذکر الموطاء میں اس طرح ملتا ہے (فوضع الموطأ فلم يفرغ منه حتى مات أبو جعفر) امام مالک اس کتاب کو ابو جعفر کی زندگی میں مکمل نہ کرسکے۔ امام مالک کی کتاب الموطاء ۱۵۹ □ ہجری میں لوگوں کے ہاتھوں میں آئی (۵) ۔ جسے ابو جعفر منصور کے بیٹے مہدی بن ابو جعفر منصور نے سرکاری طور پر رائج کیا۔ اس طرح تاریخی اعتبار سے دوسری صدی میں سامنے آنے والی کتب مجموع الفقہی اور مجموع الحدیثی اولین کتب ہیں اور الموطاء ان کے بعد منظرِ عام پر آنے والی کتب میں سے ہے۔ عباسی حکومت نے اپنی ریاستی قوت استعمال کرتے ہوئے الموطاء کو رائج کیا اور ساتھ ہی حضرت زید شہیدؑ کی طرف منسوب تمام تالیفات کو منظر عام سے ہٹا دیا۔ جس کے سبب حضرت زید شہیدؑ سے منسوب تمام تالیفات وقت گذرتے گزرتے ضائع ہوگئیں اور سرکاری طور پر پورے ملک میں الموطاء کی بے انتہاء تشہیر کی گئی اور الموطاء کو فقہ و حدیث کے حوالے سے پہلی کتاب قرار دیا گیا۔

ابو خالد واسطی کی تالیف کردہ مذکورہ کتب دستیاب نہ ہونے اور اسکی اہمیت کے پیش نظر چوتھی صدی ہجری میں زیدیہ فرقہ کے مشاہیر نے ایک بار پھر مجموع الفقہی اور مجموع الحدیثی نامی کتب کو دوبارہ منظر عام پر لانے کا فیصلہ کیا۔ عبدالعزیز بن اسحٰق بقال نے دونوں کتب کو دوبارہ جمع کرنے کا کام ۳۶۰ ھ میں مکمل کیا (۶) جس سے یہ بات صاف ہوجاتی ہے کہ ابو خالد واسطی کی تالیف کردہ مذکورہ کتب زیدیہ فرقہ کے مشاہیر کے پاس موجود نہ تھیں، ورنہ عبدالعزیز بن اسحٰق بقال کو انہیں دوبارہ جمع کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ عبدالعزیز بن اسحٰق بقال کا ان کتب کو دوبارہ جمع کرنا ثابت کرتا ہے کہ یہ کتب ابو خالد واسطی کی تالیف کردہ کتب نہیں بلکہ، اُنکے کے حوالے سے عبدالعزیز بن اسحٰق نے دوبارہ جمع کرکے شائع کیا۔ دونوں کتب ایک کتاب کی شکل میں مُسند امام زیدؑ کے نام سے ۱۳۴۰ ھ میں قاہرہ سے شائع ہوئیں (۷)۔

مسند امام زیدؑ پر بحث کے لیے ہمارے سامنے دو نسخے ہیں، جن میں سے ایک کا نام مسند امام زیدؑ ہے، جو بیروت سے ۱۹۸۷ء میں شائع ہوئی۔ مسند امام زیدؑ کا مقدمہ شیخ عبد الواسع بن یحییٰ الواسعی نے تحریر کیا اور اسے مجموع الفقہی سے تعبیر کیا ہے۔ مسند امام زیدؑ عرب ممالک میں میں مختلف ادوار میں مختلف ناموں سے معروف ہوئی۔ اسکی تفصیل درج ذیل ہے:

۱. مسند الامام زیدؑ مطبوعہ منشورات دار مکتبۃ الحیاۃ بیروت سن اشاعت ۱۹۸۷ء
۲. المجموع الفقہی والحدیثی المسمی بہ (مسند الامام زیدؑ) مطبوعہ صدارات مؤسسۃ الامام زید بن علی (ع) الثقافیۃ یمن، سن اشاعت ۱۹۸۷ء
۳. المجموع الحدیثی والفقہی (اول کتاب صنف فی الحدیث)، تحقیق عبداللہ بن حمود بن درھم الغری۔ المطبعۃ مکتبۃ الامام زید بن علی (ع)، صنعاء۔ الجمہوریہ الیمنیۃ، الطبعۃ الاولی: ۲۰۰۲ء

یہ کتاب موجودہ دور میں یمن اور اردن سے شائع ہوئی ہے، اردن کا پتہ درج ذیل ہے:

موسسۃ الامام زید بن علی الثقافیۃ۔ ص۔ب۔ ۱۴۳۶۸۴، عمان

اور اسکے اندرونی صفحہ پر ریاستہائے متحدہ امریکہ کا پتہ بھی درج کیا گیا ہے۔

P.O.Box.10754, McLean, VA.221, 2, United State of America

ابو خالد واسطی کے حوالے سے جمع کی گئی کتب المجموع الفقہی اور المجموع الحدیثی کی کئی شروح بھی لکھی گئیں (۸)، جن کی تفصیل یہ ہے:

۱. المنہاج الجلی شرح مجموع الامام زید بن علی۔ یہ شرح چار جلدوں پر مشتمل ہے۔ جو زیدیہ فرقہ کے امام، امام محمد بن المطہر بن یحییٰ، (متوفی ۷۲۸ھ) نے تحریر کی ہے۔
۲. المصباح المنیر شرح المجموع الکبیر، اسے سید یحییٰ بن الحسین بن القاسم (متوفی ۱۱۰۰ھ) نے تحریر کیا۔
۳. فتح العلی شرح مجموع الامام زید بن علی علیہ السلام، اسے علامہ سید احمد بن یوسف بن الحسین بن الحسن بن الامام القاسم بن محمد (متوفی ۱۱۹۱ھ) نے تحریر کیا۔
۴. الروض النضیر شرح مجموع الفقہ الکبیر، اسے معروف محقق قاضی حسین بن احمد سیاغی (متوفی: ۱۲۲۱ھ) نے تحریر کیا اور یہی شرح دور حاضر کی معروف ترین شرح سمجھی جاتی ہے۔ الروض النضیر پہلی بار ۱۳۴۷ھ میں مطبعۃ السعادۃ بجوار محافظہ مصر سے شائع ہوئی۔

زیدیہ فرقہ کے مشاہیر ان کتب کو ابو خالد الواسطی کے حوالے سے حضرت زید شہیدؑ سے منسوب کرتے ہیں اور عباسی حکمرانوں کی ایماء پر ابو خالد واسطی کے خلاف ہونے والی کردار کشی کے سبب ابو خالد واسطی پر جرح کا سلسلہ شروع ہوا جو آج تک جاری ہے۔ اس جرح کا ذکر سب سے پہلے الروض النضیر شرح فقہ کبیر میں علامہ سیاغی اور مسند امام زیدؑ کے مقدمہ میں شیخ الواسعی نے کیا۔ انکے بعد دیگر محققین جن میں شیخ محمد ابو زہرہ مصری اور یمن کے معروف محقق عبداللہ بن حمود بن درھم الغری شامل ہیں۔ ان محققین نے نا صرف ابوخالد واسطی کی کردار کشی کے موضوع پر مدلل بحث کی ہے بلکہ ان کا دفاع کرتے ہوئے اپنے دلائل سے جارحین کی جرح کو رد کیا ہے۔ ابو خالد واسطی پر علماء غیر امامیہ کی طرف سے لگائے جانے والے الزامات درج ذیل ہیں، جن کا ذکر ابن حجر نے تہذیب اور ذہبی نے میزان الاعتدال میں کیا ہے(۹)۔

قال وکیع: کان جارنا فظهرنا منه علی کذب فانتقل الی واسط، و قال ابی عوانه: کان عمرو بن خالد یشتری الصحف من الصیادلة و یحدث بها، و قال یحیی بن معین: کذاب غیر ثقه، قال احمد بن حنبل: کذاب، و قال النسائی: کوفی لیس بثقة ولایکتب حدیثه، و قال الحاکم یروی عن زید بن علی الموضوعات و قال الذهبی: رافضی جلد، و اورد خمسه احادیث ادعی وضعها، و قال حبیب بن ابی ثابت؛ لیس بثقة۔

وکیع نے کہا: عمرو بن خالد ہمارے پڑوس میں رہائش پزیر تھا، اس کا جھوٹ سب پر ظاہر ہو گیا تو وہ کوفہ سے واسط منتقل ہو گیا۔ ابو عوانہ نے کہا: عمرو بن خالد طبیب کی دکان سے کتب خرید کر اُن سے احادیث نقل کرتا تھا۔ یحیٰی بن معین نے کہا: ابو خالد غیر معتبر اور کاذب ہے۔ احمد بن حنبل نے کہا: ابو خالد کاذب ہے۔ نسائی نے کہا: ابوخالد کوفی ہے اور معتبر نہیں وہ اسکی احادیث کو وہ اپنے ہاں نقل نہیں کرتے۔ الحاکم نے کہا: ابوخالد گھڑی ہوئی احادیث کو زید بن علیؑ سے روایت کرتے ہیں۔ حبیب بن ابی ثابت نے کہا کہ عمرو بن خالد غیر معتبر ہے۔

معروف سیرت نگار شیخ محمد ابو زہرہ مصری نے علماء عامہ کی طرف سے ابو خالد واسطی پر کی جانے والی جرح سے متعلق بیان کیا ہے:

۱. ابو خالد واسطی کے حوالے سے علماء عامہ دو طبقوں میں بٹ گئے ہیں ۔ایک طبقہ انکی نقل کردہ احادیث کو قبول کرتا ہے اور ان پر جرح نہیں کرتا۔دوسرا طبقہ انکی عدالت پر شک کرتا ہے اور ابو خالد واسطی کو غیر عادل، غیر معتبر اور غالی کہکر متروک الحدیث قرار دیتا ہے۔ (۱۰)

۲. علماء امامیہ اور علماء عامہ رجال نے ابو خالد واسطی پر غیر ثقہ ہونے کا الزام لگایا۔ (۱۱)

شیخ محمد ابو زہرہ مصری نے ابو خالد واسطی پر لگائے گئے، الزامات کو بے بنیاد قرار دیتے ہوئے کہا یہ الزامات اس قابل نہیں کہ ان کی بناء پر ابو خالد واسطی کی نقل کردہ احادیث کو فراموش کیا جائے۔ شیخ محمد ابو زہرہ مصری کہتے ہیں کہ ابو خالد واسطی کے مخالفین میں امام نسائی نے سب سے زیادہ سخت انداز اپنایا اور اُنہوں نے ابو خالد واسطی کو غالی اور غیر معتبر قرار دیا، لیکن امام نسائی اپنا موقف ٹھوس شواہد کے ساتھ ثابت نہ کرسکے۔ شیخ محمد ابو زہرہ مصری نے یہ بھی بیان کیا کہ وہ امام نسائی یا ابو خالد واسطی کے دیگر مخالفین کی آراء سے کسی طور متفق نہیں اور ابو خالد واسطی کی نقل کردہ احادیث کو قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے (۱۲)۔ شیخ محمد ابو زہرہ مصری کے مذکورہ بیان کا یہاں جائزہ لیا جاتا ہے ،جس میں انہوں نے علماء امامیہ پر ابو خالد واسطی کی رد و قدح کا الزام لگایا ہے۔ جہاں تک شیخ محمد ابو زہرہ مصری نے علماء عامہ کی جانب سے ابو خالد واسطی کی رد و قدح کا ذکر کیا ہے وہ بات تو درست معلوم ہوتی ہے کیونکہ اس کے اثبات میں ابو زہرہ مصری نے جو حوالے دیے ہیں، انکے شواہد ابن حجر کی تہذیب التہذیب اور ذہبی کی میزان الاعتدال میں ملتے ہیں۔ابو زہرہ مصری نے علماء امامیہ کو بھی ابو خالد واسطی پر رد و قدح کے حوالے سے علماء عامہ کی صف میں لاکر کھڑا کردیا لیکن اسکے اثبات میں وہ کوئی ایسا حوالہ یا ٹھوس دلیل پیش نہیں کرسکے جس طرح اُنہوں نے صراحت کے ساتھ علماء عامہ کے اثبات میں حوالوں کو نقل کیا ہے۔اس لیے ابو زہرہ مصری کی علماء امامیہ کے حوالے سے کہی ہوئی بات درست ثابت نہیں ہوتی کیونکہ تحقیق سے ایسی کسی بات کا ذکر امامیہ فرقہ کی منابع کتب میں نہیں ملتا۔ مذید یہ کہ اگر ایسی کوئی چھوٹی سے بات بھی موجود ہوتی تو ابو زہرہ اسے حوالے کے طور پر ضرور پیش کرتے۔ اس حوالے سے ہمارا موقف یہ ہے کہ ابو زہرہ مصری نے ابو خالد واسطی پر جرح کرنے کا الزام علماء عامہ تک محدود نہیں رکھا بلکہ ابو زہرہ مصری نے اس الزام کے زمرے میں امامیہ علماء کو بھی شامل کردیا تاکہ ابو خالد واسطی پر جرح و طعن کرنے کی بات صرف علماء عامہ تک محدود نہ رہے۔ اس کی مذید وضاحت کے لیے معروف امامیہ علماء

رجال کی آراء کو یہاں نقل کیا جاتا ہے، جن کی بنیاد پر ابو خالد واسطی کے حوالے سے ابو زہرہ مصری کی باتوں کو قبول نہیں کیا جاسکتا :

۱. شیخ طوسی بیان کرتے ہیں:

أبو خالد الواسطی ابن عمرو بن خالد، له کتاب ذکرهما ابن النديم۔ (۱۳)

ابو خالد الواسطی ابن عمرو بن خالد کی ایک کتاب ہے، جس کا ذکر ابن ندیم نے کیا ہے۔

۲. شیخ طوسی نے اپنی کتاب رجالِ طوسی میں ابو خالد واسطی کو بتری قرار دیا ہے۔ (۱۴)

۳. احمد بن علی بن احمد نجاشی کہتے ہیں:

عمرو بن خالد أبو خالد الواسطی عن زيد بن علی له کتاب کبير ، رواه عنه نصر بن مزاحم المنقری وغيره أخبرنا محمد بن عثمان قال : حدثنا علی بن محمد بن الزبير ،عن علی بن الحسن بن فضال ، عن نصر بن مزاحم ، عنه بکتابه۔ (۱۵)

عمرو بن خالد ابو خالد واسطی نے زید بن علی علیہ السلام سے ایک بڑی کتاب کو روایت کیا ہے۔ ان سے نصر بن مزاحم المنقری وغیرہ روایت نقل کرتے ہیں۔

۴. ابو عمرو محمد بن عمر بن عبد العزیز کشی ابو خالد واسطی کے بارے میں کہتے ہیں:

هولاء من رجال العامة الا ان لهم ميلا و محبة شديدة (۱۶)

یہ غیر امامیہ رجال سے تعلق رکھتے ہیں مگر اہلبیت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ان کا میلان تھا اور ان سے زیادہ محبت کرتے تھے۔

۵. علامہ حلی نے ابو خالد کا ذکر کرتے ہوئے کہا:

عمرو بن خالد ابو خالد الواسطی روی عن زيد بن علی له کتاب کبير کان بترياً (۱۷)

عمرو بن خالد ابو خالد الواسطی نے زید بن علیؑ سے ایک بڑی کتاب نقل کی۔ ابو خالد واسطی بتری تھے۔

۶. مامقانی نے قول درج ذیل ہے:

عمرو بن خالد الواسطی موثق۔ (عمرو بن خالد الواسطی معتبر ہیں) ۔ (۱۸)

شیخ طوسی، نجاشی اور کشی کی ابو خالد واسطی سے متعلق امامیہ منابع کی کتب میں ملنے والی آراء کو اوپر نقل کیا گیاہے اوران علماء رجال کی آراء کو امامیہ علماء حتمی قرار دیتے ہیں۔ مذکورہ علماء امامیہ نے ابو خالدالواسطی پر کسی قسم کی تنقید نہیں کی۔ ان علماء رجال نے ابو خالد واسطی کے بارے میں یہ وضاحت ضرور کی ہے کہ ابو خالد واسطی کا تعلق امامیہ رجال سے نہیں ہے، بلکہ ان کا میلان اہلبیت رسول ﷺ کی طرف تھا اور وہ ان سے شدید محبت کرتے تھے۔ علامہ مجلسی نے ابو خالد واسطی کے بارے میں یہ وضاحت کی ہے کہ غیر امامیہ فرقے کا ایک طبقہ انہیں ثقہ قرار دیتا ہے، جبکہ دوسرا طبقہ ضعیف قرار دیتا ہے(۱۹)۔ لہٰذا یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ ابو زہرہ مصری علماء امامیہ کے حوالے سے اپنی بات کو کسی ٹھوس دلیل یا مستند حوالے سے درست ثابت کرنے میں ناکام رہے۔

شیخ ابو زہرہ مصری نے ایک دوسرے مقام پر بیان کیا ہے کہ اہلبیتؑ اور زیدیہ ابو خالد واسطی کی عدالت کا اقرار کرتے تھے اور اپنے استدلال کے لیے سیاغی کا درج ذیل قول نقل کیا ہے:

اِذَا ثبت اجماع اهل البيت عليهم السلام على عدالته۔

ان کی عدالت پر اہلبیت کا اجماع ثابت ہوتا ہے(۲۰)

جہاں تک زیدیہ فرقے کا تعلق ہے تو اُس پر بحث کی گنجائش نہیں کیونکہ زیدیہ فرقہ کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے زیدیہ مذہب ابو خالدالواسطی سے لیا ہے، اس لیے اُن کا ابو خالد الواسطی کی عدالت کا اقرار کرنا ایک فطری عمل ہے۔ لیکن اہلبیت رسول ﷺ نے کسی موقع پر ابو خالدالواسطی کی عدالت کا اقرار نہیں کیا اور نہ ہی اس حوالے سے رجال کی کتب میں اس قسم کی کوئی بات ملتی ہے۔ شیخ ابو زہرہ مصری نے مسند امام زیدؑ اور سیاغی کی الروض النضیر کے مقدمات سے سیاغی کی بیان کردہ باتوں کو تحقیق کے بغیر من و عن اپنی کتاب امام زیدؑ میں نقل کیا ہے اور اس سے استنباط کرتے ہوئے کہا: اگر ابو خالدالواسطی عادل نہ ہوتے تو ائمہ اہلبیتؑ اُنکے سامنے احادیث بیان نہیں کرتے۔ ابو زہرہ مصری نے یہ بات کسی ٹھوس دلیل کے بغیر کہی اور تیزی سے آگے نکل گئے، ورنہ اس حوالے سے اگر ان کے پاس کوئی ایسی بات ہوتی، جس سے پتہ چلتا ہو کہ ائمہ اہلبیتؑ نے کسی موقع پر اپنی نشست میں یہ بات کہی ہو فلاں شخص عادل نہیں ہے اور وہ اُنکے سامنے احادیث بیان نہیں کرتے، لیکن ابو زہرہ مصری کے پاس ایسی نہ تو کوئی روایت تھی اور نہ ہی کوئی ٹھوس دلیل تھی، جسے وہ پیش کرتے، لہٰذا انکی ائمہ اہلبیت رسول ﷺ کے حوالے سے کہی ہوئی یہ

بات غیر مقبول ہے۔ائمہ اہلبیت رسول ﷺ کی سیرت کے مطالعہ سے معلوم ہوا ہے کہ وہ اپنی نشستوں میں بلا امتیاز احادیث بیان کرتے تھے اور اس میں کسی کے لیے ان کی احادیث کے سماع پر کوئی پابندی نہیں تھی۔اسی لیے ہر طبقہ کے محدثین نے ان سے احادیث نقل کیں۔یہ بات الگ ہے کہ کسی محدث نے ان کی بیان کردہ کسی حدیث کو اپنے مسلک کے ناموافق ہونے پر نقل نہ کیا ہو۔ابو زہرہ نے ابو خالد واسطی کے حوالے سے علماء عامہ کے ایک طبقے کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا کہ یہ طبقہ ابو خالد واسطی کو ثقہ تسلیم کرتا ہے اور انکی احادیث کو قبول کرتا ہے اور غیر امامیہ محدثین کی ایک بڑی تعداد نے ان سے احادیث کو نقل کیا ہے۔جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ابو خالد واسطی پر بعض علماء غیر امامیہ کی طرف سے لگائے گئے الزامات کو، ان محدثین نے کوئی اہمیت نہیں دی اور اُن پر کی جانے والی جرح بے سود رہی۔ابو زہرہ مصری نے شیخ واسعی کے تحریر کردہ مسند امام زیدؑ کے مقدمہ سے یہ بات بھی نقل کی ہے کہ ابو خالد واسطی پر غلو کا الزام محبت اہلبیت رسول ﷺ کے سبب لگایا گیا ہے (۲۱) ۔علماء عامہ کے جس طبقے نے ابو خالد الواسطی پر جرح یا طعن کیا ہے، اُس کی وجہ یہ ہے کہ ان علماء عامہ نے ابو خالد واسطی کا اہلبیت رسول ﷺ کی طرف میلان دیکھتے ہوئے اُنہیں غالی اور غیر ثقہ قرار دیا اور اس بات کو اُنکے نظریہ کے لوگوں نے بڑھا چڑھا کر پیش کیا ہے۔

ابو زہرہ کے بعد مجموع الحدیثی اور مجموع الفقہی پر تحقیق کرنے والے یمن کے ایک محقق عبداللہ بن حمود بن درھم الغری کی ان باتوں کو یہاں نقل کیا جاتا ہے، جو اُنہوں نے ابن حجر اور ذہبی کی کتب میں ابو خالد الواسطی پر لگائے ہوئے الزامات پر بحث کرتے ہوئے بیان کیں اور کہا کہ ان شارحین کا تعلق متاخرین کے طبقے سے ہے۔وہ ذہبی اور دیگر متاخرین کے الزامات کو مسترد کرتے ہوئے انہیں غیر مقبول قرار دیتے ہوئے ابن ابی حاتم کی اس روایت کو نقل کیا ہے:

حدثنا عمرو بن یحییٰ قال: ما سمعت وکیعاً احداً بسؤ قط۔ ولم یذکر وکیع ابا خالد الواسطی مطلقاً۔ (۲۲)

ہم سے عمرو بن یحییٰ نے بیان کیا کہ ہم نے وکیع سے اس قسم کی کوئی بات نہیں سُنی اور نہ ہی وکیع نے ابو خالد کا مطلق ذکر کیا ہے۔

عبداللہ بن حمود بن درھم الغری نے وکیع کے الزام والی روایت کو مرسل قرار دیتے ہوئے کہا: المرسل لا یقبل یعنی: مرسل روایت کو قبول نہیں کیا جاتا۔ اُنہوں نے مذید زور دیتے ہوئے کہا: وکیع کا تعلق زیدیہ فرقہ سے تھا اور زیدیہ فرقہ کا کوئی شخص ابو خالد واسطی کے بارے میں اس قسم کی بات بیان نہیں سکتا، کیونکہ زیدیہ فرقہ اُنہیں ثقہ اور عادل قرار دیتا ہے اور وکیع کے حوالے سے کی گئی الزام تراشیاں بے بنیاد ہیں۔ عبداللہ بن حمود بن درھم الغری نے ذھبی کے قول پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ ابو خالد الوسطی کی نقل کردہ جن احادیث کی اسناد پر ذہبی نے جرح کرتے ہوئے وضع شدہ روایتیں قرار دیا، یہ بات سرے سے غلط ہے کیونکہ اگر ان روایتوں کی اسناد میں کوئی فرق پایا جاتا ہے اور ابو خالد الوسطی کے علاوہ دیگر محدثین نے بھی انہیں نقل کیا ہے تو اس کا مطلب ہر گز یہ نہیں ہے کہ یہ وضع کردہ روایتیں ہیں، بلکہ اس سے ان روایتوں کی تائید ہوتی ہے کہ یہ روایتیں درست ہیں، اسی لیے دوسرے محدثین نے بھی انہیں اپنے ہاں نقل کیا ہے۔ عبداللہ بن حمود بن درھم الغری نے اسی طرح ابو عوانہ کے حوالے سے نقل کردہ الزامات کو غلط قرار دیتے ہوئے کہا کہ اس بات کا تاریخی اعتبار سے کوئی امکان نہیں، کیونکہ احادیث کی کتب کی باقاعدہ اشاعت کا سلسلہ ہارون رشید اور مامون رشید کے دور میں شروع ہوا (۲۳)۔ عبداللہ بن حمود بن درھم الغری نے آخر میں دلائل کی بنیاد پر کہا کہ حبیب بن ثابت کے حوالے سے الزام تراشی درست نہیں ہے بلکہ یہ باتیں صرف ابو خالد الوسطی کو بدنام کرنے کے لیے اُن سے منسوب کی گئی ہیں جو غیر مقبول ہیں (۲۴)۔ علماء عامہ کی جانب سے ابو خالد الوسطی پر ہونے والی جرح اور طعن درست نہیں ہے بلکہ اُنہوں نے ابو خالد الواسطی کی مخالفت بنو عباس کے ایماء پر کی ہے اور اس جرح و طعن کو موثر بنانے کے لیے ان لوگوں کے نام بھی استعمال کیے ہیں جن کا تعلق زیدیہ فرقہ سے ہے۔

مجموع الفقہی اور مجموع الحدیثی پہلی بار لاطینی زبان میں شرح کے ساتھ اٹلی کے شہر میلانو سے ۱۹۱۹ء میں درج ذیل نام سے طبع ہوئی:

"CORPUS JURIS DI ZAID BIN ALI"

دوسری بار مطبعۃ المعارف العلمیہ، قاہرہ سے مسند امام زیدؑ کے نام سے ۱۳۴۰ ھ میں شائع ہوئی، تیسری بار ۱۴۰۱ھ میں بیروت سے ۳۳۹ صفحات پر مشتمل یہ کتاب مسند امام زیدؑ کے نام سے طبع ہوئی۔ موجودہ دور میں رائج مسند امام زیدؑ میں احادیث پیغمبر کی تعداد ۲۲۸ ہے جبکہ امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالبؑ سے نقل کی گئی اخبار کی تعداد ۳۲۱ ہے اور حضرت امام حسینؑ سے دو احادیث

نقل کی گئی ہیں۔ اس میں کل اخبار کی تعداد ۵۵۱ ہے اور مندرجہ ذیل چودہ ابواب قائم کیے گئے ہیں۔ (۲۵)

۱۔	کتاب الطہارۃ	۱۰	ابواب پر مشتمل ہے۔
۲۔	کتاب الصلاۃ	۴۴	ابواب پر مشتمل ہے۔
۳۔	کتاب الجنائز	۱۸	ابواب پر مشتمل ہے۔
۴۔	کتاب الزکوۃ	۱۲	ابواب پر مشتمل ہے۔
۵۔	کتاب الصیام	۱۲	ابواب پر مشتمل ہے۔
۶۔	کتاب الحج	۳۶	ابواب پر مشتمل ہے۔
۷۔	کتاب البیوع	۲۹	ابواب پر مشتمل ہے۔
۸۔	کتاب الشرکۃ	۹	ابواب پر مشتمل ہے۔
۹۔	کتاب الشھادات	۲	ابواب پر مشتمل ہے۔
۱۰۔	کتاب النکاح	۱۳	ابواب پر مشتمل ہے۔
۱۱۔	کتاب الطلاق	۱۰	ابواب پر مشتمل ہے۔
۱۲۔	کتاب الحدود	۷	ابواب پر مشتمل ہے۔
۱۳۔	کتاب السیر وماجاء فی ذلک	۱۳	ابواب پر مشتمل ہے۔
۱۴۔	کتاب الفرائض	۱۶	ابواب پر مشتمل ہے۔

مسند امام زیدؑ کے تمام ابواب میں ایک سے زائد احادیث اور اخبار بیس سے زائد ہیں۔ مثلاً باب وضو، میں دس اور کتاب طہارت میں اُنیس اخبار بیان کی گئی ہیں۔ مسند امام زیدؑ میں موجود تمام احادیث اس سند کے ساتھ نقل کی گئی ہیں:

حدثنی زید بن علی عن ابیہ عن جدہ عن علی (علیہ السلام) قال: قال رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ

مسند امام زیدؑ سے دس ایسی احادیث یہاں بحث کے لیے نقل کی جاتی ہیں، جو کتب اربعہ میں بھی نقل ہوئی ہیں لیکن ان احادیث کی اسناد میں کچھ کمی بیشی دیکھنے میں آئی ہے، جس کی نشاندہی کتب اربعہ کے جدید حوالوں کے ساتھ گئی ہے:

حدثنی زید بن علی عن أبیه عن جده عن علی بن أبی طالب کرم الله وجه انه أتاه رجل، فقال یا أمیر المؤمنین والله انی لأحبك فی الله، قال ولکنی أبغضك فی الله، قال ولم، لأنك تتغنی بأذانك یعنی تطربه وتأخذ علی تعلیم القرآن أجرا وقد سمعت رسول الله صلی الله علیه وآله یقول من أخذ علی تعلیم القرآن أجرا کان حظه یوم القیامة۔ (۲۶)

حضرت زید بن علیؑ اپنے آباؤ اجداد کے حوالے سے حضرت علی بن ابی طالبؑ سے نقل کرتے ہیں۔ ایک شخص انکے پاس آیا اور بولا: اے امیر المومنین! میں اللہ تعالیٰ کی وجہ سے آپ سے محبت کرتا ہوں۔ حضرت علی بن ابی طالبؑ نے فرمایا: لیکن میں اللہ تعالیٰ کی وجہ سے تم سے نفرت کرتا ہوں۔ اُس نے دریافت کیا وہ کیوں؟ حضرت علی بن ابی طالبؑ نے فرمایا! تم اذان گانے کی طرز پر دیتے ہو اور قرآن کی تعلیم دینے کا معاوضہ لیتے ہو۔ میں نے نبی اکرم ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: جو شخص قرآن پاک سکھانے کا معاوضہ لے گا، قیامت کے دن اس کا حصہ وہی اجر ہوگا، جو دنیا میں لے چکا ہے۔

یہ حدیث من لایحضرہ الفقیہ (۲۷) میں مرسلہ درج ہوئی ہے اور تہذیب الاحکام (۲۸)، الاستبصار (۲۹) اور وسائل الشیعہ (۳۰) میں کچھ اختلاف کے ساتھ نقل ہوئی ہے اور روایت کی سند حضرت زید شہیدؑ سے پہلے تہذیب الاحکام اور الاستبصار میں اس طرح نقل کی گئی ہے:

محمد بن الحسن الصفار، عن عبد الله بن المنبه، عن الحسین بن علوان، عن عمرو بن خالد، عن زید بن علی...

ان مصادر میں تتغنی با ذانك کے بجائے تبغ فی الاذان آیا ہے اور اس اختلاف کے سوا کچھ اور نہیں ہے۔

حدثنی زید بن علی عن أبیه عن جده عن علی قال: أتی رسول الله صلی الله علیه وآله نفر فقالوا یا رسول الله ان امرأة معنا توفیت ولیس معها ذو رحم محرم فقال صلی الله علیه وآله کیف صنعتم بها فقالوا صببنا الماء علیها صبا، قال اما وجدتم من أهل الکتاب امرأة تغسلها قالوا لا، قال أفلا یمتهوها۔ (۳۱)

حضرت زید بن علیؑ اپنے آباؤاجداد کے حوالے سے حضرت علی بن ابی طالبؑ سے نقل کرتے ہیں۔کچھ لوگ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔اُنھوں نے عرض کی۔یا رسول اللہ ﷺ ! ہمارے ساتھ ایک خاتون تھی،جو دوران سفر وفات پا گئی اور اُسکا کوئی محرم عزیز ساتھ نہیں تھا۔نبی اکرم ﷺ نے پوچھا: تم اس کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ اُن لوگوں نے عرض کی، ہم نے اس پر پانی بہادیا۔نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا تمہیں اہل کتاب سے تعلق رکھنے والی کوئی عورت نہیں ملی،جو اسے غسل دیتی۔اُن لوگوں نے عرض کی نہیں۔نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم نے اسے تیمّم کیوں نہیں کروایا۔

یہ حدیث تہذیب الاحکام(۳۲) ، الاستبصار (۳۳) اور وسائل الشیعہ (۳۴) میں نقل ہوئی ہے۔اسکی سند حضرت زید شہیدؑ سے پہلے اس طرح بیان ہوئی ہے :

سعد بن عبداللہ ،عن ابی الجوزاء، عن الحسین بن علوان، عن عمرو بن خالد، عن زید بن علی(ع)۔

یہ حدیث وسائل الشیعہ میں مکرر نقل ہوئی ہے۔

حدثنی زید بن علی عن أبیہ عن جدہ عن علی۔ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ اذا مات الشہید من یومہ أو من الغد فوارہ فی ثیابہ وان بقی أیاما حتی تغیرت جراحہ غسل(۳۵)

وہ شخص جو آگ کے ذریعے جل جائے یا ڈوب کر مر جائے،اُسکے بارے میں حضرت زید بن علیؑ اپنے آباؤ اجداد کے حوالے سے حضرت علی بن ابی طالبؑ سے نقل کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

جب شہید اُسی دن فوت ہو جائے یا اس سے اگلے دن فوت ہو جائے تو تم اسے اسکے کپڑوں میں ڈھانپ دو لیکن اگر کچھ دن گزر جائیں یہاں تک کہ اس کے زخم تبدیل ہو جائیں تو پھر اسے غسل دو۔

یہ حدیث تہذیب الاحکام،(۳۶) الاستبصار (۳۷) اور وسائل الشیعہ (۳۸) میں نقل ہوئی ہے۔اسکی سند حضرت زید شہیدؑ سے پہلے تہذیب الاحکام اور الاستبصار میں اسطرح بیان ہوئی ہے :

محمد بن احمد بن یحیی، عن ابی جعفر، عن ابی الجوزہ، عن الحسین بن علوان، عن عمرو بن خالد، عن زید بن علی۔

اس خبر کے بارے میں شیخ طوسی نے فرمایا کہ اس حدیث پر ہم عمل نہیں کرتے ہیں کیونکہ یہ خبر غیر امامیہ فرقہ کے موافق ہے۔

حدثنی زید بن علی عن أبیہ عن جدہ عن علی۔ انہ سئل عن رجل احترق بالنار فأمرھم ان یصبوا علیہ الماء صبا۔ (۳۹)

حضرت زید بن علیؑ اپنے آباؤاجداد کے حوالے سے حضرت علی بن ابی طالبؑ سے نقل کرتے ہیں کہ ان سے ایسے شخص کے بارے میں دریافت کیا گیا جو آگ میں جل گیا ہو تو حضرت علیؑ نے فرمایا: اس پر پانی بہادیا جائے۔ عمرو بن خالد نے حضرت زید شہیدؑ سے اُس شخص کے بارے میں دریافت کیا، جو ڈوب کر مر جائے یا اس پر کوئی دیوار گر جائے اور وہ مر جائے تو حضرت زید شہیدؑ نے فرمایا: لوگ اُسے غسل دینگے۔

یہ حدیث فروع الکافی (۴۰) ، تہذیب الاحکام (۴۱) ، وسائل الشیعہ (۴۲) میں بیان ہوئی ہے اور اس کی سند فروع الکافی میں اسطرح بیان کی گئی ہے:

عدۃ من اصحابنا، عن احمد بن محمد بن خالد، عن ابی الجوزاء، عن الحسین بن علوان، عن عمرو بن خالد عن زید بن علی...

تہذیب الاحکام میں اسطرح ہے:

اخبرنی الشیخ ایدہ اللہ تعالی، عن ابی جعفر محمد بن علی، عن محمد بن الحسن، عن محمد بن یحییٰ، عن محمد بن احمد بن یحییٰ، عن ابی جعفر، عن ابی الجوزاء عن الحسین بن علوان، عن عمرو بن خالد، عن زید بن علی عن آبائہ عن علی علیہم السلام انہ سئل عن رجل یحترق بالنار فأمرھم أن یصبوا علیہ الماء صبا و ان یصلی علیہ۔

وسائل الشیعہ میں اس حدیث کی اسناد میں دو افراد ابو جعفر اور محمد بن حسن کو بیان نہیں کیا گیا ہے اور اس حدیث کی سند یہ بیان کی گئی ہے:

عن محمد بن أحمد بن يحيى ، عن أبي جعفر ، عن أبي الجوزاء ، عن الحسين بن علوان ، عن عمرو بن خالد ، عن زيد بن علي ، عن آبائه ، عن علي عليه السلام أنه سئل عن رجل يحترق بالنار فأمرهم أن يصبوا عليه الماء صبا وأن يصلى عليه۔

مسند امام زیدؑ میں یہ حدیث بیان ہوئی ہے۔اس میں نماز پڑھنے کا ذکر نہیں جبکہ تہذیب الاحکام اور وسائل الشیعہ میں نقل کی گئی، حدیث میں نماز پڑھنے کا حکم شامل ہے ،جس سے مسند امام زیدؑ کی اس حدیث میں غلطی کا امکان پایا جاتا ہے۔ کیونکہ جلنے والے یا ڈوب کر مرنے والے شخص کی نماز جنازہ ہوتی ہے:

حدثني زيد بن علي عن أبيه عن جده عن علي ۔ قال : ينزع عن الشهيد الفرو والخف والقلنسوة والعمامة والمنطقة والسراويل الا أن يكون أصابه دم فان كان أصابه ترك ولم يترك عليه معقودا الاحل۔ (۴۳)

حضرت زید بن علیؑ اپنے آباؤ اجداد کے حوالے سے حضرت علی بن ابی طالبؑ سے نقل کرتے ہیں کہ اُنہوں نے فرمایا: شہید کا کوٹ اتر وادیا جائے گا، موزہ، ٹوپی، عمامہ پٹکا اور شلوار اتار دی جائے گی اور اوپر لپیٹنے والا کپڑا اتار دیا جائے گا۔البتہ اگر انہیں خون لگا ہوا ہو (تو حکم مختلف ہوگا) تو انہیں چھوڑ دیا جائے گا۔ ورنہ جو چیز بھی جسم پر باندھی جاتی ہے، اس کو کھول دیا جائے گا۔

یہ حدیث فروع الکافی (۴۴)، من لایحضرہ الفقیہ (۴۵)، تہذیب الاحکام (۴۶) اور وسائل الشیعہ (۴۷) میں بیان کی گئی ہے۔ یہ حدیث من لایحضرہ الفقیہ میں بطور مرسلہ آئی ہے جبکہ فروع الکافی میں اس حدیث کی سند یوں بیان کی گئی ہے کہ:

عدة من اصحابنا ، عن احمد بن محمد بن خالد، عن ابی الجوزاء ، عن الحسين بن علوان، عن عمرو بن خالد عن زيد بن علی ...

جبکہ تہذیب الاحکام میں ایک راوی جس کا نام محمد بن یعقوب ہے، اس کے نام کے اضافہ کے ساتھ اس طرح بیان ہوئی ہے:

عن محمد بن یعقوب عن عدۃ من أصحابنا عن أحمد بن محمد بن خالد عن أبیہ عن أبی الجوزاء عن الحسین بن علوان عن عمرو ابن خالد عن زید بن علی ... باب توجیہ المیت الی القبلۃ : حدثنی زید بن علی عن أبیہ عن جدہ عن علی علیہم السلام قال : دخل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ علی رجل من ولد عبد المطلب وھو یجود بنفسہ وقد وجھوہ لغیر القبلۃ ، فقال صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وجھوہ الی القبلۃ فانکم اذا فعلتم ذلک أقبلت الملائکۃ علیہ وأقبل اللہ علیہ بوجہ فلم یزل کذلک حتی یقبض ، (۴۸)

حضرت زید بن علیؑ نے اپنے آباء کرام سے انہوں نے حضرت علی بن ابی طالبؑ سے روایت نقل کی ہے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وَسلّم اولاد عبد المطلب میں سے کسی پاس تشریف لے گئے۔ آپ نے دیکھا کہ وہ جانکنی کے عالم میں ہے اور اس کا چہرہ قبلہ کی طرف نہیں تھا۔ آپؐ نے فرمایا کہ اسکا رخ قبلہ کی طرف کرو۔ جب تم ایسا کروگے تو فرشتے اسکے پاس آئیں گے اور اللہ تعالیٰ اسکی طرف رخ کرے گا۔ چنانچہ اُسکا رخ قبلہ رو ہوا تو اسکی روح قبض ہو گئی۔ راوی نے مذید بیان کیا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وَسلّم نے اس دوران اسے لا الہ الااللہ پڑھنے کی تلقین کی۔ آپؐ نے فرمایا: جانکنی کا عالم ہو تو کلمہ توحید کی تلقین کرو کیونکہ جس کا آخری کلام کلمہ توحید ہوگا، وہ جنت میں چلا جائیگا۔

یہ حدیث من لایحضر الفقیہ (۴۹) میں مرسلہ، وسائل الشیعہ (۵۰) اور علل الشرائع (۵۱) میں اس سند کے ساتھ بیان کی گئی ہے:

عن محمد بن علی ماجیلویہ ، عن محمد بن یحیی ، عن محمد بن أحمد ، عن أحمد بن أبی عبد اللہ ، عن أبی الجوزا المنبہ بن عبد اللہ ، عن الحسین بن علوان ، عن عمرو بن خالد ، عن زید بن علی ...

ان کتابوں میں حدیث کا متن تقریباً ایک ہی ہے، جو وسائل الشیعہ کا ہے لیکن الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ بیان ہوئی ہے جبکہ مسند امام زیدؑ کی روایت میں اضافہ پایا جاتا ہے کہ مرنے والا اگر حالت نزاع میں کلمہ توحید پڑھے گا تو وہ جنت میں چلا جائے گا۔ اس پر اشتباہ پایا جاتا ہے کہ یہ مسند امام زیدؑ میں اضافی ہے کیونکہ دیگر مصادر میں یہ الفاظ نہیں ملتے :

حدثنی زید بن علی عن أبیه عن جده عن علی ـ قال : لعن رسول الله صلی الله علیه وآله أکل الربا ومؤکله وبائعه ومشتریه کاتبه وشاهدیه ـ (۵۲)

حضرت زید بن علیؑ اپنے آباؤ اجداد کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت علی بن ابی طالبؑ نے بیان کیا: رسول اللہ صَلّی اللہ علیہ وَآلہ وَسلم نے سود کھانے والے اور اسکے موّکل اور اسکے فروخت کرنے والے اور اسکے کاتب اور اس کے دونوں گواہوں پر لعنت کی ہے۔

یہ حدیث من لایحضر فقیہ میں مرسلہ ہے(۵۳)، تہذیب الاحکام (۵۴) اور وسائل الشیعہ (۵۵) میں بیان کی گئی ہے اور تہذیب الاحکام میں اسکی سند اسطرح بیان کی گئی ہے:

الحسین بن سعید، عن الحسین بن علوان، عن عمرو بن خالد، عن زید بن علی...

وسائل الشیعہ میں عمرو بن خالد کے بجائے محمد بن خالد سے بیان کی گئی ہے جو کہ سہواً لکھی گئی ہے کیونکہ صاحب تہذیب الاحکام میں عمرو بن خالد کا نام بیان کیا گیا ہے:

حدثنی زید بن علی عن أبیه عن جده عن علی ـ ان امرأة أتت علیا علیه السلام ورجل قد تزوجها ودخل بها وسمی لها مهرا وسمی لمهرها أجلا ، فقال له علی ـ لا أجل لك فی مهرها اذا دخلت بها فحقها حال فأد الیها حقها (۵۶)

حضرت زید بن علیؑ اپنے آباؤ اجداد کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت علی بن ابی طالبؑ کے پاس ایک خاتون آئی۔ ایک شخص نے اس کے ساتھ شادی کرکے صحبت کرلی تھی۔ اسکے مہر کی ادائیگی کی مدت طے کی گئی تھی۔ حضرت علی بن ابی طالبؑ نے فرمایا! اس عورت کا مہر ادا کرو، تمہارے لیے اب کوئی مدت کا جواز نہیں چونکہ تم اس کے ساتھ صحبت کر چکے ہو اور مہر اس کا حق ہے۔

یہ حدیث تہذیب الاحکام (۵۷)، الاستبصار (۵۸) اور وسائل الشیعہ (۵۹) میں اس سند کے ساتھ نقل کی گئی ہے:

محمد بن احمد بن یحیی، عن ابی جعفر، عن ابی الجوزاء، عن الحسین بن علوان، عن عمرو بن خالد، عن زید بن علی...

یہ حدیث وسائل الشیعہ میں دو بار بیان کی گئی ہے:

حدثنی زید بن علی عن أبیه عن جده عن علی ۔ قال : لا قصاص بین الرجال والنساء فیما دون النفس ولا قصاص فیما بین الأحرار والعبید فیما دون النفس (۶۰)

حضرت زید بن علیؑ اپنے آباؤ اجداد سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت علی بن ابی طالبؑ نے فرمایا: مردوں اور عورتوں کے درمیان قصاص نہیں ہے۔ سوائے اسکے کہ ان لوگوں نے کسی کو جان سے مارا ہو، آزاد اور غلاموں کے درمیان بھی قصاص نہیں ہے، اگر جان سے نہ مارا ہو۔

اس حدیث کا مفہوم تہذیب میں نقل کی گئی حدیث سے ملتا ہے لیکن اُس میں بچوں کے قصاص کا بھی ذکر کیا گیا ہے ،جو مسند امام زیدؑ کی روایت میں نہیں ملتا۔ جس سے یہ امکان پایا جاتا ہے کہ اسکے جامع کو یہ روایت پوری طور پر نہ ملی ہو۔ یہ حدیث اسی سند کے ساتھ الاستبصار(۶۱)، وسائل الشیعہ (۶۲)اور تہذیب الاحکام (۶۳) میں اسطرح بیان کی گئی ہے :

عنه عن أبی جعفر عن أبی الجوزاء عن الحسین بن علوان عن عمرو بن خالد عن زید بن علی عن آبائه عن علی علیه السلام قال : لیس بین الرجال والنساء قصاص الا فی النفس ، ولیس بین الأحرار والممالیك قصاص الا فی النفس ولیس بین الصبیان قصاص فی شیء الا فی النفس۔

مردوں اور عورتوں کے درمیان قصاص نہیں ہے۔ سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے جان سے مارا ہو اور آزاد اور غلاموں کے درمیان قصاص نہیں ہے۔ سوائے ان کے جنہوں نے جان بوجھ کر جان سے نہ مارا ہو اور بچوں کے درمیان بھی قصاص نہیں ہے۔ سوائے ان کے جنہوں نے جان سے نہ مارا ہو :

حدثنی زید بن علی عن أبیه عن جده عن علی (ع م) قال : قال رسول الله صلی الله علیه وآله المعدن جبار والبئر، جبار والدابة المنفلتة جبار والرجل جبار۔ (۶۴)

حضرت زید بن علیؑ اپنے آبا ؤاجداد کے حوالے سے حضرت علی بن ابی طالبؑ سے نقل کرتے ہیں کہ نبی اکرم صَلَّی اللہ علیہ وَآلِہِ وَسَلَّم نے بیان کیا ہے : پہاڑ کی کان میں گر کر مرنا رائیگاں جاتا ہے، کنویں میں گر کر مرنا رائیگاں جاتا ہے، جانور کے مارنے سے مرنا رائیگاں جاتا ہے۔

یہ حدیث وسائل الشیعہ (۶۵) میں معمولی فرق کے ساتھ آگے پیچھے نقل ہوئی ہے اور اسکی سند معانی الاخبار میں اسطرح بیان کی گئی ہے :

عن سعد بن عبداللہ ، عن الھیثم بن ابی مسروق، عن الحسین بن علوان، عن عمرو بن خالد، عن زید بن علی۔۔۔ (٦٦)

جبکہ معانی الاخبار میں (وَالرجل جبار) کا لفظ بیان نہیں کیا گیا ہے۔ اگرچہ مختلف ابواب میں سند کے ساتھ نقل ہوئی اور ان روایات کے مصادر امامیہ معتبر ہیں اور ان کا کافی میں ذکر ہوا ہے۔

مسند امام زیدؑ میں نقل کی گئی بیشتر احادیث اور اقوال ایسے ہیں، جن میں اسکے جامع نے کمی بیشی کرکے اسے غیر امامیہ فرقوں اور زیدیہ فرقہ کے موافق ایک کتاب بنا دیا۔ جسے ان فرقوں نے حضرت زید شہیدؑ سے والہانہ عقیدت کی بناء پر بلا تحمل قبول کرلیا ہے، لیکن مسند امام زیدؑ میں پائی جانیوالی اغلاط کے سبب تحقیقی نقطہ نظر سے اسے اشکال سے خالی قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ مسند امام زیدؑ میں بیشتر روایتیں ایسی ہیں ، جنہیں حضرت زید شہیدؑ کی طرف منسوب کرنا تحقیقی نقطہ نظر درست نہیں اور ان کی ذات سے بعید ہیں کیونکہ حضرت زید شہیدؑ نے اپنے والد حضرت امام زین العابدینؑ اور بڑے بھائی حضرت امام محمد باقرؑ کے سامنے زانوئے ادب تہہ کیا، یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ حضرت امام محمد باقرؑ جن احادیث کو اپنے والد سے نقل کیا ہے اُن احادیث اور حضرت زید شہیدؑ کی نقل کردہ احادیث میں کوئی فرق پایا جائے حالانکہ ابوخالد واسطی کا صراحت کے ساتھ بیان سامنے ہے کہ حضرت زید شہیدؑ کے پاس اپنے والد کی بیان کردہ احادیث ایک کتابی شکل میں محفوظ تھیں، جنہیں اُنہوں نے خود تالیف کیا تھا۔ لہٰذا ان احادیث میں کسی قسم کی بیشی کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا بلکہ ایسی روایات سے صاف پتہ چلتا ہے کہ یہ روایتیں وضع شدہ ہیں، جو اُن سے غلط طور پر منسوب کی گئی ہیں۔

ابراہیم بن زبرقان ایک سوال کے جواب میں کہتے ہیں:

قال ابراھیم سألت أبا خالد کیف سمعت ھذا الکتاب من زید بن علی علیھما السلام

قال: سمعناہ من کتاب معہ قد وطأہ وجمعہ (٦٧)

ابراہیم بیان کرتے ہیں میں نے ابو خالد سے دریافت کیا: آپ نے اس کتاب کو امام زیدؑ کی زبانی کیسے سنا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: میں نے یہ احادیث ان سے سنی جنہیں وہ اُس کتاب سے پڑھ کر بیان کرتے تھے، جو انکے پاس تھی اور اُنہوں نے اسے جمع کیا تھا۔

ابراہیم بن زبرقان کے بیان سے یہ بات بھی صاف ہو جاتی ہے کہ حضرت زید شہیدؑ کے پاس جو کتاب ابو خالد واسطی نے دیکھی اور اُن سے سنی تھی، وہ کتاب ابو خالد الواسطی کی جمع کردہ کتاب کے علاوہ تھی، جسکی ابو خالد واسطی کے پاس موجودگی ثابت نہیں ہوتی اور نہ ہی ابو خالد الواسطی کی تالیف کردہ کتاب عبدالعزیز بن اسحٰق البقال تک پہنچی بلکہ یہ دونوں کتب عبدالعزیز بن اسحٰق کی دسترس سے دور تھیں، اسی لیے اُنہوں نے ابوالقاسم علی بن محمد نخعی سے سن کر جمع کیا، جس کا اقرار خود عبدالعزیز بن اسحٰق بن جعفر بغدادی نے ان الفاظ میں کیا ہے:

حدثنی عبد العزیز بن اسحاق بن جعفر البغدادی قال حدثنی أبو القسم علی بن محمد النخعی قال حدثنی سلیمان بن ابراهیم المحاربی جدی أبو أمی قال حدثنی نصر بن مزاحم المنقری قال سمعت هذا الکتاب من أبی خالد الواسطی (٦٨)

عبدالعزیز بن اسحٰق بن جعفر بغدادی نے بیان کیا کہ اُن سے ابوالقاسم علی بن محمد نخعی نے بیان کیا ہے کہ اُن سے اُنکے نانا سلیمان بن ابراہیم المحاربی نے بیان کیا ہے کہ نصر بن مزاحم نے مجھ سے بیان کیا تھا کہ اس کتاب کو اُنہوں نے ابو خالد الواسطی سے سنا تھا۔

حضرت زید شہیدؑ سے سُنی ہوئی احادیث اور فقہی آراء کو ابو خالد الوسطی نے مرتب کرکے مجموع الفقہی وَ المجموع الحدیثی نامی کتب تالیف کی تھیں اور ان کتب کو ابو خالد واسطی کے زمانے میں آفاقی شہرت حاصل ہوئی تھی۔ عباسی حکمرانوں نے اہلبیت رسول ﷺ سے بغض اور دشمنی کے سبب حضرت زید شہیدؑ سے منسوب کتب کو عمداً منظر عام سے ہٹادیا تھا، لیکن ڈیڑھ سوسال گزرنے کے باوجود لوگ ان کتب کو بھول نہ پائے اور یہی سبب تھا کہ عبدالعزیز بن اسحٰق البقال نے اس کتاب کی تالیف کا بیڑہ اُٹھایا اور ابوالقاسم علی بن محمد نخعی سے سن کر المجموع الفقہی وَالمجموع الحدیثی کے نام سے ٦١٣ھ میں جمع کیا۔

موجودہ کتاب مسند امام زیدؑ کے مقدمہ میں شیخ واسعی نے بیان کیا ہے کہ اُنہوں نے یہ کتاب اپنے استاد حسین علی عمری سے سن کر تالیف کی ہے۔ اس کتاب کی سند اُنہوں نے کچھ اس طرح بیان کی ہے:۔

١۔	زید بن علی بن حسین	٢۔	ابو خالد عمرو بن خالد واسطی
٣۔	ابراہیم بن زبرقان تیمی	٤۔	نصر بن مزاحم منقری
٥۔	سلیمان بن ابراہیم محاربی	٦۔	علی بن محمد نخعی

۷۔ عبدالعزیز بن اسحاق البقال	۸ ۔ ابوالفضل محمد بن عبداللہ شیبانی
۹۔ ابو سعید عبدالرحمٰن نیشاپوری	۱۰۔ حاکم ابوالفضل وہب اللہ بن حاکم القاسم حسکانی
۱۱۔ زید بن حسن بیہقی	۱۲ ۔ احمد بن ابوالحسن الکنی
۱۳۔ قاضی جعفر بن احمد	۱۴۔ محی الدین ومران ابوالحسن
۱۵۔ عبداللہ بن حمزہ	۱۶۔ احمد حمید
۱۷۔ قاسم بن احمد حمید	۱۸۔ محمد بن یحییٰ
۱۹۔ احمد بن یحییٰ	۲۰۔ مطہر بن محمد بن سلیمان
۲۱۔ سید صارم الدین	۲۲۔ امام زرف الدین
۲۳۔ سید احمد بن عبداللہ	۲۴۔ سید امیر الدین بن عبداللہ
۲۵۔ قاسم بن محمد	۲۶۔ محمد بن قاسم بن محمد
۲۷۔ قاضی احمد بن سعد الدین مسور	۲۸۔ احمد بن صالح ابر جال
۲۹۔ حسین بن احمد زبارہ	۳۰۔ یوسف زبارہ (حسین بن احمد کے صاحبزادے)
۳۱۔ احمد بن یوسف (حسین بن احمد کے پوتے)	۳۲۔احمد بن یوسف (حسین زبارہ کے بھائی)
۳۳۔ قاضی عبداللہ غالبی	۳۴۔ علامہ حسین بن عبدالرحمٰن الاکوع
۳۵۔ قاسم بن حسین بن منصور	۳۶۔ قاضی حسین بن علی عمر

۳۷۔ شیخ عبدالواسع بن یحییٰ الواسعی نے اسے مسند امام زید کے نام سے شائع کیا ہے۔

اس لیے تحقیقی نقطۂ نظر سے مسند امام زیدؑ ابو خالد الوسطی کی تالیف کردہ کتاب قرار نہیں دی جا سکتی اور نہ ہی اسے عبدالعزیز اسحٰق البقال کی جمع کردہ کتاب قرار دیا جانا چاہئے کیونکہ یہ کوئی اور کتاب ہے، جسے پہلے ابوالقاسم علی بن محمد نخعی نے بیان کیا اور پھر اُنکے توسط سے حسین علی عمری نے بیان کیا اور اسے شیخ واسعی نے تالیف کیا۔ البتہ یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ موجودہ کتاب مسند امام زیدؑ شیخ واسعی کی تالیف کردہ کتاب ہے اور یہ کتاب فقہ حنفیہّ کے پیروکاروں کے لیے موافق کتاب ہے، جس کی تائید مصر کے مفتی اعظم شیخ محمد بخیت مطیعی حنفی کی وہ تحریر ہے، جو شیخ واسعی نے مسند امام زیدؑ کے مقدمے میں نقل کی ہے:

هو موافق فی معظم أحکامه لمذهب الامام الاعظم ابی حنیفة النعمان۔ (۶۹)

اس کتاب میں فقہی مسائل اور شرعی احکام امام اعظم ابو حنیفہ کے مذہب کے موافق ہیں۔

ابو القاسم علی بن محمد نخعی الکوفی کا نام طبقات حنفیّہ میں ملتا ہے (۷۰) اور ذہبی نے ان کا ذکر ابن الشرقی کے حالات میں اس طرح کیا ہے:

شیخ الحنفیة أبو القاسم علی بن محمد بن کأس النخعی الکوفی مات فی رابع ربیع الآخر سنة أربع وعشرین وثلاث مائة۔ (۷۱)

شیخ الحنفیہ ابو القاسم علی بن محمد بن کاس النخعی الکوفی کا انتقال ۴ □ ربیع الاخر ۳۲۴ھ میں ہوا۔ شیخ واسعی نے بھی مسند امام زیدؑ کے مقدمہ میں بیان کیا ہے کہ ابوالقاسم فقہ حنفیّہ کے پیروکار تھے اور وہ بنو عباس کے دور میں شام، بغداد اور رملہ کے ولایت کے منصب پر فائز ہوئے اور اُن کا انتقال عاشورہ کے دن ۳۲۴ھ میں ہوا۔ (۷۲)

جبکہ معروف اسکالر آقائے بزرگ طہرانی نے مسند امام زیدؑ کے بارے میں اپنی معروف کتاب الذریعہ الی تصانیف الشیعہ میں بیان کیا ہے:

مسند زید(زید ابن علی بن الحسین امام الزیدیة الشهید)، مجموعة أحادیث رواه عن آبائه جمعها عبد العزیز بن اسحاق البقال (متوفی ۳۱۳ھ)، رواه عن زید أبو خالد عمر بن خالد الواسطی ، یظهر من جامع التصانیف انه طبع فی ایطالیا وهو غیر منسکه الآتی الموسوم بمنهاج الحاج۔ (۷۳)

(مسند زید بن علی ابن حسینؑ) الشہید جنہیں زیدیہ فرقے کا امام کہا جاتا ہے، اُن سے ابو خالد الوسطی کی روایت کردہ احادیث کا مجموعہ ہے، جسے عبد العزیز بن اسحاق بقال نے جمع کیا اور جامع التصانیف سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کتاب اٹلی سے شائع ہوئی تھی لیکن اُس کتاب کی طرح نہیں تھی، جیسا کہ المجموع الفقہی اور المجموع الحدیثی کو یکجا کرکے المنہاج الہاج کے نام سے ابو خالد الواسطی کی کتاب شائع ہوئی تھی۔

مسند امام زیدؑ کے مقدمے میں شیخ واسعی نے اس کتاب کی صحت کو تنقید سے بچانے کے لیے ایک وضع شدہ روایت نقل کی ہے، جو درج ذیل ہے:

لا یعطعن فی ابی خالد زیدی قط، انما یعطن فیه رافضی او مناصب۔ (۷۴)

ابو خالد واسطی پر کوئی زیدیہ اعتراض نہیں کر سکتا۔ انکے بارے میں رافضی یا آلِ محمدؐ کا مخالف اعتراض کریگا۔

مسند امام زیدؑ کی صحت اس روایت سے ثابت نہیں ہوتی بلکہ اس میں اشکال پیدا کرتی ہے کیونکہ مسند امام زیدؑ نامی کتاب قرآن مجید کی طرح لاریب فیہ کی سند یافتہ کتاب نہیں ہے، جس پر تحقیق کی کوئی گنجائش نہ ہو۔ اگر کوئی محقق ٹھوس دلائل کی روشنی میں اس پر بحث کرے تو اُسے ناصبی یا رافضی قرار دے دیا جائے۔ اس کتاب میں نقل کی گئی احادیث پر جن لوگوں نے اپنا اشکال ظاہر کرتے ہوئے جرح کی، ان میں امام نسائی اور ابو عوانہ کا نام لیا جاتا ہے اور انکے بعد ذہبی نے اس بات کو بڑھاوہ دیا۔ اُنھوں نے ابو خالد واسطی کو غیر معتبر، کاذب اور غالی قرار دیتے ہوئے پانچ احادیث کا ذکر کیا ہے لیکن کسی نے انہیں شخصیات کو ناصبی یا رافضی قرار نہیں دیا۔ اس روایت کے حوالے سے ہمارا موقف یہ ہے کہ شیخ عبدالواسع الواسعی نے اس روایت کے ذریعے اپنی مرتب کردہ کتاب مسند امام زیدؑ پر تحقیق کے دروازے بند کیے ہیں، جو سراسر غلط ہے اور اس روایت کی بنیاد پر اس کتاب کو من و عن قبول نہیں کیا جاسکتا ہے۔

مسند امام زیدؑ کے حوالے سے تحقیق سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ حضرت زید شہیدؑ کی تالیف کردہ احادیث پر مبنی کتاب، جسے پڑھ کر آپ اپنی نشستوں میں احادیث بیان کرتے تھے وہ کتاب ابو خالد واسطی کے پاس موجود نہ تھی ورنہ وہ اُسے دوبارہ جمع نہیں کرتے اور اسی طرح ابو خالد الواسطی کی تالیف کردہ کتب بنو عباس کے دور حکومت میں منظر عام سے ہٹائے جانے کے سبب دست برد زمانہ ہو گئیں اور وہ کتب زیدیہ فرقہ کے مشاہیر کے پاس موجود نہ تھیں۔ اسی لیے چوتھی صدی ہجری میں عبدالعزیز اسحٰق بقال بغدادی نے انہیں دوبارہ جمع کیا۔ زیدیہ فرقہ کے ساتھ پیش آنے والے حالات و واقعات کے سبب یہ کتب کسی کے پاس محفوظ نہ رہ سکیں۔ یہی حال مسند امام زیدؑ کا ہے کہ شیخ واسعی نے اپنے اُستاد سے سن کر مسند امام زیدؑ تالیف کی اور اسے شائع کیا، جسے اشکال سے خالی نہیں سمجھا جاسکتا۔ اس کتاب کا تحقیقی جائزہ لینے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اس کتاب میں پائی جانے والی اغلاط حضرت زید شہیدؑ کی ذات سے بعید ہیں اور انہیں آپ کی طرف منسوب کرنا نا صرف علمی بد دیانتی ہے بلکہ ایک منظّم سازش کا حصہ ہے۔ مُسند امام زیدؑ کو حضرت زید شہیدؑ یا ابو خالد الوسطی یا عبدالعزیز بن اسحٰق البقال بغدادی کی تالیف قرار نہیں دیا جاسکتا بلکہ اسے شیخ واسعی کی کاوش قرار دیا جاسکتا ہے۔

کتابیات

۱. أبوالفضل اندلسی، أبوالفضل عیاض بن موسی الیحصبی، ترتیب المدارک و تقریب المسالک لمعرفۃ أعلام مذہب مالک، مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ، بیروت، الطبعۃ: الأولی، ۱۴۱۸ ھ ۱۹۹۸ء ص □ ۱۰۱؛ شیخ، محمد ابوزہرہ مصری، مالک: حیاتہ وعصرہ۔آراءہ وفقہ، الطبع ولنشر دار العربی الفکر، قاہرہ، ص ۲۲۵؛ مالک، مالک بن أنس أبو عبداللہ الأصبحی، موطاء مالک، تحقیق: تقی الدین الندوی أستاذ الحدیث الشریف بجامعۃ الامارات العربیۃ المتحدۃ، تعلیق المُمَجَّد لموطأ الامام محمد وہو شرح لعبدالحیّ اللّکنوی، الناشر دار القلم، دمشق، الطبعۃ الأولی، ۱۴۱۳ ھ-۱۹۹۱ م، (الصفحات مرقمۃ آلیا)، ص ۵؛ ابوالحسنات، محمد عبدالحہ بن محمد عبدالحلیم الأنصاری اللکنوی الہندی، التعلیق الممجد علی موطأ محمد (شرح لموطأ مالک بروایۃ محمد بن الحسن)، تعلیق و تحقیق: تقی الدین الندوی أستاذ الحدیث الشریف بجامعۃ الامارات العربیۃ المتحدۃ، الناشر: دار القلم، دمشق، الطبعۃ: الرابعۃ، ۱۴۲۶ ھ-۲۰۰۵ م، ص ۱۳؛ الکتانی، ابو عبداللہ محمد بن جعفر الکتانی الادریسی المغربی، الرسالۃ المستطرفۃ لبیان مشہور کتب السنۃ المشرفۃ، تعلیق: ابو یعلی البیضاوی المغربی، المطبوعۃ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۰۰ھ، ج ۳، ص ۲۲

۲. أبوالفضل اندلسی، أبوالفضل عیاض بن موسی الیحصبی، ترتیب المدارک و تقریب المسالک لمعرفۃ أعلام مذہب مالک، مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ، بیروت، الطبعۃ الأولی، ۱۴۱۸ھ - ۱۹۹۸ء ص ۱۰۱؛ مالک: حیاتہ وعصرہ۔آراءہ وفقہ،، ص ۲۲۶؛ موطاء مالک، ص ۷۵

۳. ترتیب المدارک و تقریب المسالک لمعرفۃ أعلام مذہب مالک، ص ۱۰۱؛ مالک: حیاتہ وعصرہ۔آراءہ وفقہ، ص ۲۲۶۔

۴. ابوزہرہ، شیخ، محمد ابوزہرہ، الامام زید: حیاتہ وعصرہ۔آراءہ وفقہ، الطبع ولنشر دار العربی الفکر، قاہرہ، ص ۲۳۳۔

۵. ترتیب المدارک و تقریب المسالک لمعرفۃ أعلام مذہب مالک، ص ۱۰۱؛ مالک: حیاتہ وعصرہ۔آراءہ وفقہ، ص ۲۲۸

۶. مسند الامام زید، مطبوعہ منشورات دار المکتبۃ الحیاۃ، بیروت۔۱۹۸۷ء، ص ۱۳

۷. تاریخ الادب العربی، کارل بروکلمان، تاریخ الادب العربی،، عربی ترجمہ الدکتر عبدالحلیم النجار، الناشر: دار المعارف قاہرہ، المطبعۃ الخامسہ، ج ۳، ص ۳۲۳

۸. المجموع الفقہی والحدیثی المسمی بہ (مسند الامام زید)، مرتبہ: محدث أبو خالد عمرو بن خالد الواسطی، مؤسسۃ الامام زید بن علی (ع) مطبوعہ یمن، ص ۲۰

۹. ذہبی، شمس الدین محمد بن أحمد، میزان الاعتدال فی نقد الرجال، تحقیق الشیخ علی محمد معوض والشیخ عادل أحمد عبدالموجود، الناشر دار الکتب العلمیۃ، بیروت، سنہ اشاعت ۱۹۹۵ء، ج ۲، ص ۲۸۷، ۲۸۶؛ تہذیب التہذیب، ج ۸، ص ۲۶، ۲۷؛ الامام زید، ص ۲۴۰

۱۰. الامام زید، شیخ، محمد ابوزہرہ مصری، ص ۲۳۴

۱۱. الامام زید، شیخ، محمد ابوزہرہ مصری، ص ۲۴۰

۱۲. الامام زید، شیخ، محمد ابوزہرہ مصری، ص ۲۴۰

۱۳. طوسی، شیخ، محمد بن الحسن، الفہرست، مطبوعہ المکتبۃ المرتضویۃ نجف اشرف، ص ۱۸۹، رقم الرجال، ۸۴۸

۱۴. طوسی، شیخ، محمد بن الحسن، رجال الطوسی، تحقیق: جواد القیومی الاصفہانی، مطبوعہ مؤسسۃ النشر الاسلامی، قم، ص ۱۴۲، رقم الرجال ۱۵۳۴ □ ۶۹

۱۵. نجاشی، احمد بن علی بن احمد، رجال نجاشی: احمد بن علی بن احمد، مطبوعہ بمبئی۔۱۳۱۷ق، ص ۲۰۵

۱۶. طوسی، شیخ، ابو جعفر محمد بن حسن، اختیار معرفۃ الرجال المعروف رجال الکشی: شیخ الطائفہ ابو جعفر محمد بن حسن الطوسی، مطبوعہ دانشگاہ مشہد۔ ۱۳۴۸ش، ص ۳۹۰، رقم الرجال۔ ۷۳۳

۱۷. علامہ حلی، خلاصۃ علامہ "خلاصۃ الاقوال فی معرفۃ الرجال"، مطبوعہ تھران۔ ۱۳۱۲ق، ص ۱۱۷

۱۸. المامقانی، حاج شیخ عبداللہ بن محمد حسن، تنقیح المقال فی احوال الرجال، مطبوعہ نجف ۱۳۵۲ش۔، ج ۱، ص ۱۱۲

۱۹. مجلسی، علامہ محمد باقر، وجیزہ، (ضمیمۂ خلاصۃ الاقوال علامہ حلی)، مطبوعہ تھران، ۱۳۱۲ق، ص ۵۹، س۔ ۱۹،

۲۰. الروض النضیر شرح مجموع الفقہ الکبیر، ج ۱، ص ۲۶؛ مسند امام زید، زید بن علی بن الحسین، (مقدمہ) ص ۱۲؛ الامام زید، ص ۲۳۶

۲۱. الامام زید، محمد ابو زہرہ مصری، ص ۲۳۸؛ مسند امام زید، زید بن علی بن الحسین، (مقدمہ) ص ۱۲

۲۲. المجموع الحدیثی وَالفقھی، ص ۲۶

۲۳. الامام زید، شیخ، محمد ابو زہرہ مصریؒ، ص ۲۴۰

۲۴. المجموع الحدیثی وَالفقھی، ص ۲۶

۲۵. اردکانی، سید ابو فاضل رضوی، شخصیت و قیام زید بن علی، مطبوعہ حوزہ علمیہ، قم، ایران، ص، ۳۳۷، ۳۳۶۔

۲۶. مسند امام زید، (کتاب الصلاۃ باب الاذان)، ص ۸۱، رقم الحدیث ۴۶،

۲۷. من لایحضرہ الفقیہ، تصحیح و تعلیق: علی اکبر الغفاری، منشورات جماعۃ المدرسین فی الحوزۃ العلمیۃ، قم، ۱۴۰۴ھ، ج ۳، ص ۱۰۹، ۱۱۰

۲۸. تھذیب الاحکام، تحقیق: السید حسن الموسوی الخرسانی، المطبعۃ دار الکتب الاسلامیۃ، طہران، اطبعۃ الثالثۃ، ۱۳۶۴ ش، ج ۶، ص ۳۷۶،

۲۹. طوسی، شیخ، ابو جعفر محمد بن الحسن، الاستبصار، تحقیق و تعلیق: السید حسن الموسوی الخرسان، دار الکتب الاسلامیۃ، طہران، الطبعۃ الرابعۃ۔ ۱۳۶۳ش، ج ۳، ص ۶۵

۳۰. عاملی، شیخ محمد بن الحسن الحر، وسائل الشیعۃ (الاسلامیۃ)، تحقیق: الشیخ محمد الرازی، تعلیق: الشیخ ابی الحسن الشعرانی، مطبعۃ دار احیاء التراث العربی، بیروت۔ ۲۰۰۹ء، ج ۱۲، ص ۱۱۴

۳۱. مسند امام زید، (کتاب الجنائز باب غسل المیت) ص ۱۶۴، ۱۶۵؛ المجموع الحدیثی والفقھی ص ۱۲۰؛ تھذیب الاحکام، ج ۱، ص ۴۴۳

۳۲. الاستبصار، ج ۱، ص ۲۰۳

۳۳. وسائل الشیعہ، ج □ ۲، ص □ ۷۰۵، ۷۱۰؛

۳۴. مسند الامام زید، (باب الشہید والذی یحترق بالنار والغریق) ص ۱۶۵؛ المجموع الحدیثی وَالفقھی، ص ۱۲۰، رقم الحدیث ۱۶۴

۳۵. تھذیب الاحکام، ج ۱، ص ۳۳۲، ج ۶، ص ۱۶۸

۳۶. الاستبصار، ج ۱، ص ۲۱۵

۳۷. وسائل الشیعہ، ج ۲، ص ۶۹۹

۳۸. مسند امام زید، (باب الشہید والذی یحترق بالنار والغریق) ص ۱۶۶؛ المجموع الحدیثی وَالفقھی، رقم الحدیث ۱۶۷، ص ۱۲۱

۳۹. کلینی، شیخ محمد بن یعقوب، فروع الکافی، تھران، دار الکتب الاسلامیہ، ۱۳۹۱ ق ج ۳، ص ۲۱۳

۴۰. تھذیب الاحکام،، ج ۱، ص ۳۳۳،

۴۱. وسائل الشیعہ، ج ۲، ص ۷۰۲

۴۲. مسند امام زید، ص ۱۶۶ (باب الشہید والذی یحترق بالنار والغریق)؛ المجموع الحدیثی وَالفقھی، ص ۱۲۰، رقم الحدیث ۱۶۶

۴۳. فروع الکافی، ج ۳، ص ۲۱۱

۴۴. من لایحضر الفقیہ، ج ۱، ص ۱۵۹، رقم الحدیث۔ ۴۴۶

۴۵. تھذیب الاحکام، ج ۱، ص ۳۳۲

۴۶. وسائل الشیعہ، ج۲، ص۷۰۱
۴۷. مسند امام زید، (باب توجیہ المیت إلی القبلہ باب توجیہ المیت الی القبلۃ) ص۱۷۵، ۱۷۶؛ المجموع الحدیثی وَالفقھی، رقم الحدیث ۱۸۹ص۱۲۶،
۴۸. من لایحضر الفقیہ، رقم الحدیث۔۳۴۹، ج۱، ص۱۳۳
۴۹. وسائل الشیعہ، رقم الحدیث۔۶، ج□ ۲، ص□ ۶۶۲
۵۰. الشیخ الصدوق، علل الشرائع، منشورات المکتبۃ الحیدریۃ النجف الأشرف، ۱۹۶۶ء، (باب ۲۳۴-علۃ توجیہ المیت الی القبلۃ) رقم الحدیث ۱، ج۱، ص۲۹۷
۵۱. مسند امام زید، (باب أکل الربا وعظم اثمہ والحلف علی البیع)، ص۲۵۶؛
۵۲. المجموع الحدیثی وَالفقھی، رقم الحدیث ۳۲۵، ص۱۷۸
۵۳. من لایحضر الفقیہ، شیخ صدوق، ج۳، ص۱۷۴، رقم الحدیث۔ ۳۹۹۴
۵۴. تھذیب الأحکام، شیخ طوسی، ج۷، ص۱۵
۵۵. وسائل الشیعہ، رقم الحدیث ۱، ج۱۲، ص۴۳۰
۵۶. مسند امام زید، باب المھور ص۳۰۳، ۳۰۴؛ المجموع الحدیثی وَالفقھی، رقم الحدیث ۴۲۸، ص۲۱۰
۵۷. تھذیب الأحکام، ج۷، ص۳۵۸
۵۸. الاستبصار، ج۳، ص۲۲۱
۵۹. وسائل الشیعہ، (رقم الحدیث۔۱، ج۱۵، ص۱۷
۶۰. مسند امام زید، (باب الدیات)، ص۳۴۵؛ المجموع الحدیثی وَالفقھی، رقم الحدیث ۵۱۸، ص۲۳۳
۶۱. الاستبصار، ج۴، ص۲۲۶
۶۲. وسائل الشیعہ، ج۱۹، ص۱۳۹، ۱۲۷
۶۳. تھذیب الأحکام، ج۱۰، ص۲۷۹
۶۴. مسند امام زید، (باب الدیات)، ص□ ۳۴۶؛ المجموع الحدیثی وَالفقھی، ص۲۳۴، رقم الحدیث ۵۲۷
۶۵. وسائل الشیعہ، ج۱۹، ص۲۰۳، رقم الحدیث۔۳۵۵۷۵□ ۲،
۶۶. شیخ صدوق، معانی الأخبار، تصحیح وتعلیق: علی اکبر الغفاری، مؤسسۃ النشر الاسلامی، قم۔ایران، ص۳۰۳
۶۷. مسند امام زید، ص۳۸۰
۶۸. ایضاً، ص۳۸۰
۶۹. ایضاً، (مقدمہ کتاب)، ص۳۸، ۳۷
۷۰. ابو محمد، عبد القادر بن أبی الوفاء محمد بن أبی الوفاء القرشی، الجواہر المضیۃ فی طبقات الحنفیۃ، الناشر میر محمد کتب خانہ، کراتشی، باکستان، رقم الرجال ۱۰۲۳، ص۳۷۱
۷۱. ابو عبداللہ شمس الدین محمد بن احمد، تذکرۃ الحفاظ، الناشر: دار احیاء التراث العربی، بیروت، ج۳، ص۸۲۱،
۷۲. مسند امام زید (مقدمہ) ص۱۴
۷۳. طہرانی، آقای بزرگ، الذریعۃ الی تصانیف الشیعہ، مطبوعہ ۱۳۸۹ھ، الثانیۃ، دار الأضواء، بیروت، رقم الکتاب: ۳۷۸۲، ج۲۱، ص۲۶۔
۷۴. مسند امام زید، ص۳۸۱۔

The Basic Principles of Studying Quran

By: ***Dr. Sheikh Muhammad Hasnain***
sheikh.hasnain26060@gmail.com

Key Words: *Quran, Study, Principle, Guidance, Infallibility, Natural Sciences, Human Sciences.*

Abstract:
Holy Quran is a divine book. There are some basic principles for comprehending Quran. Without taking those principles into account, one cannot escape from misunderstanding the Holy Book. In this article two basic principles of studying Quran have been discussed:

- *Basic Role of the Holy Quran is to guide human beings towards right thinking and accurate acting accordingly. Humanity can reach its noble destination only under the guidance of Holy Quran. So, as a basic principle, while studying Quran, everyone shoule seek for the right path of all his movements. But it dosen't mean that it forbidden to seek for pure sciences and humen sciences in the Holy Quran.Because Quranic verses while discuss "what ought", they also discuss "what is".*
- *Any attempt to understand the Holy Quran without getting essential guidance from its infallible teachers, can not be fruitful. So studding every verse from Holy Qurqn, we should seek the interpretation of that verse by Qurans' infallible teachers and any interpretation of Quran that contradicts to that of its true teachers must be rejected.*

The above principles of understanding Quran have been inferred from the ideas of prominent experts of Quran such as Jalal al Din Siyouiti, Allama Tabatabai, Mustafa Khomeini, Jawadi Amouli, and Ameed Zanjani, after critically evaluating their ideas and analyzing many verses of the Quran.

The Necessity and Importance of Studying the Lifestyle of the Holy Prophet in Contemporary Era

By: ***Prof. Dr. Muhammad Tufail***

Key Words*: The Seal of Prophets, Mercy to the Worlds, Lifestyle of the Prophet, ideal Model, Revival of the Sunnah, Honor of the Prophet.*

Abstract:

All the prophets sent by Almighty Allah for the guidance of mankind stressed on monotheism and uplift of human beings. The prophethood of those who were ordained before our prophet was limited in scope, whereas our Prophet (PBUH) is the seal and master of prophets. The message of our Prophet (PBUH) is universal and panacea for all problems of humanity. According to holy Quran, the life of Holy Prophet (PBUH) is ideal for all human beings. Muslims have given massive information about the ideal life of the Prophet (PBUH) insofar as the Prophet (PBUH) has always been at the top of the pyramid of the reformers.

Any book on Islamic science and art is considered as incomplete unless it contains some references of the ideal life of the Prophet (PBUH). However, there are many dimensions of the ideal life of the Prophet (PBUH) that are not unveiled such as the Prophet's life being appropriate source of guidance for humanity, the sermon of his last Pilgrimage, human rights including initial charter of women rights, guidance for youth in his views, basic principles for various fields and professions of human life, solutions for the problems of 21st century, and his message for scientific innovations.

The above mentioned aspects of the ideal life of holy Prophet (PBUH) are few among many that must be highlighted. The study of the Prophet's ideal life is also important to restore the dignity of Muslim community and bring Islam back to its higher position.

Unity among Muslims and Islamic Brotherhood

By: ***Muhammad Ali Ramadhani***

Key Words*: Unity, Muslims, Brotherhood, Peaceful Society, Rope of Allah.*

Abstract:

Holy Quran compels Muslims to hold fast by the rope of Almighty Allah and not be divided. It resembles the divisions of Ignorance period (Jahilliyah) and mutual animosity to that of being at the brink of a pit of fire. Quran terms the mutual love and unity that was promoted by Holy Prophet (PBUH), as a blessing.

Today, unfortunately, the Muslim community has again come to the brink of the abyss of fire of mutual animosity and disunity. Muslims are being called heretic. The foundations of Islam are destabilized by promoting divisions between Muslims.

To some extent, Muslim rulers and politicians are also encouraging divisions to protect their rules. It is obligatory on all Muslims to hold fast the rope of Allah and to avoid broadening divisions. All Muslims must struggle to promote unity and Islamic brotherhood. It is important not only to refrain from accusing another Muslim of apostasy, but also to let minorities in Muslim countries to lead a peaceful life by honoring human rights which have been given by Islam.

Role of Shiites in Formation of Islamic Civilization

By: ***Syed Rameez al Hassan Mosavi***

Key Words*: Civilization and Culture, interpretation of Quran, Islamic Jurisprudence, Shiite, Fatimid, A'al -e-Bouy, Translation Movement*

Abstract:

Many Muslim historians have not accurately and properly mentioned the role of Shiites in formation of Islamic civilization under the influence of their political and sectarian interests. They extended the credit of forming Islamic civilization only to caliphs and some Muslim rulers. A critical and deep study of Islamic history, however, provides evidences of the role of Imams and their followers (twelvers, Zaydis, Isma'ilis) in the formation of Islamic civilization. It is a fact that Imam Muhammad Baqir (AS) and Imam Sadiq (AS) and their disciples played a prominent role in the formation of Islamic civilization. Various disciplines and fields of knowledge are considered as base of any culture and civilization. The role of infallible imams in development of many Islamic sciences such as Tafseer, Fiqh, Philosophy, kala'am, hadith etc. is an undeniable fact of their contribution in the formation of Islamic civilization. This article is aimed to highlight the role Imams and their followers played in formation of Islamic civilization.

ISLAMIC SOCIETY
(IN THE LIGHYT OF NAHJUL BALAGHAH)

By: ***Roshan Ali***

Key Words*: Society, Nahjul Balaghah, Social Classes, Tradition of the Holy Prophet, tradition of the Infallible Descendants of the prophet (PBUH), Justice, Just government*

Abstract:

Instinctively, human beings have been struggling for living a collective life and making their social life better. However, this endeavor can be fruitful only when they adhere themselves to the fountain of revelation. In this article, the salient features of the Islamic society have been highlighted in the light of Imam Ali (AS), who had always been in the lap of revelation and prophethood. According to Nahjul Balaghah, all human beings are equal in their essence. They deserve equal social rights. Imam Ali (AS) advices human beings to maintain their relations with the basic unit of society i.e. family. Imam Ali terms monotheism and following of Quran and tradition of the Holy Prophet (PBUH) and his infallible descendants as basic principles of an Islamic society. For Imam Ali, an Islamic society is above the evils of prejudice and treason. In an Islamic society, underlined by Imam Ali, members of the society pursue knowledge and love each other. Support of the masses, establishment of a just government, preservation of peace and stability, revival of the religion, appreciation of knowledge, unity and solidarity, and training of the members of the society are among the major objectives of the formation of the Islamic society.

Business Ethics (2)
From the viewpoint of Economics & Islam

By: ***Yadullah Dadgar***
Translator: ***Dr. Muhammad Hasnain***

Key Words*: Economics, Ethic, Business, Essence of Islam, Usury.*

Abstract:
There are specific rules and principles in Islamic economics regarding trade and business, as other economic systems possess. An attempt has been made in this article to prove that taking care of Islamic business ethics result in flourishing and expansion of business. The author has tried to highlight various dimensions and aspects of business ethics under the paradigm of Islamic economics. In the first part of the article, general ideas of economics and ethics had been discussed. In this part of the article, correlation between Islam and ethics and the related methodological aspects have been identified. This part also bears an account on basic principles and salient features of business ethics. At the end of this article, basic concepts of Islamic ethics and its practical models would be discussed in the light of Islamic views.

AN ANAYLITICAL REVIEW OF MASNAD-E-IMAM ZAID

By: ***Dr. Syyed Haider Abbas Wasti***

Key Words: *Masnad-e-Imam Zaid, Abu Khalid Wasti, Umayyads, Abbasids, Zaydis, Sheikh Muhammad Abu Zahra Misri.*

Abstract:

Zaidai sect came into being after the martyrdom of Hazrat Zaid in 122 Hijrah and is associated with him. The well-known religious book of Zaydis is Masnad-e-Imam Zaid. After his martyrdom, his two disciples, Omar bin Khalid and Abu Khalid Wasti, published the Ahadithis, they listened from him, and his views on Islamic jurisprudence in two books. In 360 Hijrah, Abul Aziz Baqqal completed the task of re-compliance of these two books. These books were merged into one book in 1360 Hijrah and were published in Cairo under the title of "Masnad-e-Imam Zaid". In an attempt to promote Zaidai faith in Pakistan, the translation of Masnad-e-Imam Zaid was published. In this article, an analytical review of the Masnad has been presented. According to this article, this book does not have any linkage with the sayings of Zaid Shaheed. The association of this book with Hazrat Zaid is not only a betrayal with knowledge, but also a well-planned conspiracy. According to the writer, this book is actually a brain-child of Sheikh Wasti.

رسول اکرم ﷺ پر درود و سلام

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ مَنَّ عَلَیْنَا بِمُحَمَّدٍ نَبِیِّهٖ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ آلِهٖ وَ سَلَّمَ دُوْنَ الْاُمَمِ الْمَاضِیَةِ وَ الْقُرُوْنِ السَّالِفَةِ بِقُدْرَتِهِ الَّتِیْ لَا تَعْجِزُ عَنْ شَیْءٍ وَ اِنْ عَظُمَ وَ لَا یَفُوْتُهَا شَیْءٌ وَ اِنْ لَطُفَ فَخَتَمَ بِنَا عَلٰی جَمِیْعِ مَنْ ذَرَأَ وَ جَعَلَنَا شُهَدَآءَ عَلٰی مَنْ جَحَدَ وَ كَثَّرَنَا بِمَنِّهٖ عَلٰی مَنْ قَلَّ اَللّٰهُمَّ فَصَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ اَمِیْنِكَ عَلٰی وَحْیِكَ وَ نَجِیْبِكَ مِنْ خَلْقِكَ وَ صَفِیِّكَ مِنْ عِبَادِكَ اِمَامِ الرَّحْمَةِ وَ قَآئِدِ الْخَیْرِ وَ مِفْتَاحِ الْبَرَكَةِ كَمَا نَصَبَ لِاَمْرِكَ نَفْسَهٗ وَ عَرَّضَ فِیْكَ لِلْمَكْرُوْهِ بَدَنَهٗ وَ كَاشَفَ فِی الدُّعَآءِ اِلَیْكَ حَامَّتَهٗ وَ حَارَبَ فِیْ رِضَاكَ اُسْرَتَهٗ وَ قَطَعَ فِیْ اِحْیَآءِ دِیْنِكَ رَحِمَهٗ وَ اَقْصَی الْاَدْنَیْنَ عَلٰی جُحُوْدِهِمْ وَ وَ قَرَّبَ الْاَقْصَیْنَ عَلٰی اسْتِجَابَتِهِمْ لَكَ وَ وَالٰی فِیْكَ الْاَبْعَدِیْنَ وَ عَادٰی فِیْكَ الْاَقْرَبِیْنَ وَ اَدْاَبَ نَفْسَهٗ فِیْ تَبْلِیْغِ رِسَالَتِكَ وَ اَتْعَبَهَا بِالدُّعَآءِ اِلٰی مِلَّتِكَ وَ شَغَلَهَا بِالنُّصْحِ لِاَهْلِ دَعْوَتِكَ۔

تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے جس نے اپنے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے ہم پر وہ احسان فرمایا جو نہ تو امتوں پر کیا اور نہ پہلے لوگوں پر۔ اپنی قدرت کی کارفرمائی سے جو کسی شے سے عاجز و درماندہ نہیں ہوتی اگرچہ وہ کتنی ہی بڑی ہو اور کوئی چیز اس کے قبضہ سے نکلنے نہیں پاتی اگرچہ وہ کتنی ہی لطیف و نازک ہو اس نے اپنے مخلوقات میں ہمیں آخری امت قرار دیا اور انکار کرنے والوں پر گواہ بنایا۔ اور اپنے لطف و کرم سے کم تعداد والوں کے مقابلہ میں ہمیں کثرت دی۔ اے اللہ! تو رحمت نازل فرما محمد اور ان کی آل پر جو تیری وحی کے امانتدار تمام مخلوقات میں تیرے برگزیدہ، تیرے بندوں میں پسندیدہ رحمت کے پیشوا، خیر و سعادت کے پیشتر و برکت کا سرچشمہ تھے جس طرح انہوں نے تیری شریعت کی خاطر اپنے کو مضبوطی سے جمایا اور تیری راہ میں اپنے جسم کو ہر طرح کے آزار کا نشانہ بنایا اور تیری طرف دعوت دینے کے سلسلہ میں اپنے عزیزوں سے دشمنی کا مظاہرہ کیا، اور تیری رضا کے لیے اپنے قوم قبیلے سے جنگ کی اور تیرے دین کو زندہ کرنے کے لیے سب رشتے ناطے قطع کر لئے۔ نزدیک کے رشتہ داروں کو انکار کی وجہ سے دور دیا اور دور والوں کو اقرار کی وجہ سے قریب کیا۔ اور تیری وجہ سے دور والوں سے دوستی اور نزدیک والوں سے دشمنی رکھی اور تیرا پیغام پہنچانے کے لیے تکلیفیں اٹھائیں اور دین کی طرف دعوت دینے کے سلسلہ میں زحمتیں برداشت کیں اور اپنے نفس کو ان لوگوں کے پند و نصیحت کرنے میں مصروف رکھا جنہوں نے تیری دعوت کو قبول کیا۔

(صحیفہ سجادیہ سے اقتباس)

ISSN 2221-1659

Quarterly

Religious Research Journal

Noor-e-Marfat

فکر رسول ﷺ انسانی بھلائی کے تمام عناصر اور پہلوؤں جیسے عبادات، معاملات، اخلاق وآداب، انسانی تعلقات، انسانی ضروریات اور انسانی مسائل کا کما حقہ احاطہ کرتی ہے۔ چنانچہ نہ تنہا عدلیہ، انتظامیہ، مقننہ، ماہرین معیشت، سیاستدان، معلمین اخلاق اور سماجی کارکن، بلکہ ہر فکر اور ہر طبقہ کے افراد آپؐ کی صائب فکر سے ہمہ وقت رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں۔ مسلمانوں کے لیے رسول رحمتؐ کی پوری حیات مبارکہ ایک عملی نمونہ ہے۔ آپؐ کی سیرت زمان ومکان کی قیود سے بالاتر ہو کر تمام انسانوں کے لیے عموماً اور مسلمانوں کے لیے خصوصاً ہدایت اور رہنمائی کا سامان فراہم کرتی رہے گی۔

"نمت" (نورالہدیٰ مرکز تحقیقات)

نورالہدیٰ ٹرسٹ، محلہ سادات، بارہ کہو، اسلام آباد

www.nmt.org.pk www.nht.org.pk